قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

جولائی 1992ء

ماہنامہ

المرشد

لاہور

محرم الحرام ۱۴۱۳ھ جولائی ۱۹۹۲ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراً سن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے
آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم و مفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریباً تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراً ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255

تحفہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ تحفہ دیا کرو اس سے محبت بڑھتی ہے اور یہ حرف بحرف سچ ہے۔ مگر تحفہ کو رشوت کے طور پر استعمال کرنا نہ صرف ناجائز ہے بلکہ سخت گستاخی اور دیدہ دلیری ہے۔ نیز اس حدیث کا اطلاق یک طرفہ نہیں پر ہے یعنی دو مسلمان ایک دوسرے کو تحفہ دیا کریں۔ یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ایک فریق دیتا رہے اور دوسرا صرف لیتا رہے۔

سب سے پہلے تو میں اپنی بات عرض کروں کہ کوئی ساتھی مجھے تحفہ دینے کی بجائے وہ رقم دارالعرفان کے فنڈ میں دے تو میں بھی بہت خوش ہوں گا۔ اللہ کریم بھی راضی ہوں گے۔ اور وہ رقم زیادہ مفید مقصد پر خرچ ہو سکے گی۔ میرے لیے یہ اشیاء خرید کرلانے کی بجائے اسی رقم کو خواہ وہ تھوڑی ہو دارالعرفان کے فنڈ میں جمع کرائیے اور ضرور کرائیے کہ دین و دنیا میں اس کا فائدہ زیادہ ہے۔

اب دوسرا نمبر صاحبِ مجاز حضرات کا ہے تو بندہ کی طرف سے کسی صاحب مجاز کو تحفے جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ احباب کو بھی چاہیئے کہ جو لوگ دینی کام کر رہے ہیں۔ اُن کا اجر اور ان کی عادات دونوں کو خراب نہ کریں۔ اللہ کریم کی برکات ناجائز ذرائع استعمال کر کے حاصل نہیں کی جا سکتیں۔

نیز

جو ایسا کرے گا انشاء اللہ اُسے مزید ترقیِ منازل بھی نصیب نہ ہو گی۔ خواہ وہ صاحب مجاز ہو یا عام ساتھی۔ لہٰذا آئندہ سے تحفوں کی سب رقم دارالعرفان کے فنڈ میں جمع کرائی جائے۔

والسلام

فقیر محمد اکرم اعوان

محرم الحرام ۱۴۱۳ھ جولائی ۱۹۹۲ء

جلد: ۱۳ شمارہ: ۱۲

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷

ماہنامہ
المرشد
لاہور

یکے از مطبوعات :- ادارہ نقشبندیہ، اویسیہ دارالعرفان چکوال

فہرست مضامین

غلبۂ اسلام ۵

تصوّف کیا ہے؟ ۱۱

آپ کونسی مسجد کے ساتھ ہیں؟ ۲۳

سوچوں کے زاویے ۳۴

جہاد ۳۸

مکاشفات ۴۶

بدل اشتراک

فی پرچہ: دس روپے ششماہی: ۵۵ روپے

چندہ سالانہ: ۱۰۰ روپے تاحیات ۱۰۰۰ روپے

غیر ملکی

سالانہ - تاحیات

سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش ۲۰۰ روپے - ۲۰۰۰ روپے

مشرق وسطیٰ کے ممالک ۵۵ سعودی ریال - ۲۵۰ سعودی ریال

برطانیہ اور یورپ ۱۲ سٹرلنگ پونڈ - ۶۰ سٹرلنگ پونڈ

امریکہ و کینیڈا ۲۵ امریکن ڈالر - ۱۲۵ امریکن ڈالر

پتہ:- ماہنامہ المرشد - اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور ٹیلیفون لاہور ۸۴۴۹۰۹

ناشر:- پروفیسر حافظ عبدالرزاق، پرنٹرز:- طیب جمال، ریٹی گن روڈ۔ لاہور

ماہنامہ **المُرشد** کے ،

بانی : حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست : حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیر اعلیٰ
نشر واشاعت : پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم-اے (عربی) ایم-اے (اسلامیات)

ناظم اعلیٰ : کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر : تاج رحیم

اداریہ

اقتدار ایک ایسی بدصورت حسینہ ہے جس کی بدصورتی کے حسن میں ڈوب جانے کے لیے انسان اپنی انسانیت کھو کر خونخوار درندہ بن کر بے گناہ اور معصوم انسانوں کو چیرتا پھاڑتا رہتا ہے۔ آج کل ایم کیو ایم (مردہ قوم کو مار پارٹی) کے ظلم و بربریت کے جو انکشافات ہو رہے ہیں وہ انسانی تخیل سے بہت ہی بالاتر ہیں۔ معاشرے کو وُہ معزز راہنما جو کل صاحبِ اقتدار تھے اور بہت سارے آج بھی اقتدار میں ہیں اُن کی بے حسی اور بے شرمی دیکھئے کہ اِس بربریت کے لیے سیاسی حل کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ سیاسی حل تو ہر برسرِ اقتدار ٹولے نے اپنی حکمرانی میں عملی طور پر پیش کیا۔ کہ ظالموں کو پناہ تو کیا اُن پر وزارتیں نچھاور کیں۔ کالی حسینہ کی خوشنودی کی خاطر ہر وزیرِ اعظم نے الطاف بھائی کو گلے لگایا۔ اور اُس کے فیض کو اپنے سینوں میں منتقل کرتے رہے۔ ہمیں ہندو، یہودی اور کمیونسٹوں سے کیا گلہ۔ یہاں تو مسلمان اپنے ہی وطن اور اپنے ہی گھر میں درندوں کی چیر پھاڑ سے محفوظ نہیں۔ وہ شہر کراچی جو برسہا برس تک اِس مُلک کے امیر و غریب سب کی روزی اور روزگار کی آماجگاہ تھا۔ اُس پر جمہوریت کی برکات نے قاتلوں کو حکمران بنا کر مقتل بنا دیا۔ پھر ہر حکومت نے اِن مقتلوں کی سرکاری سرپرستی فرمائی۔ کیا جونیجو، کیا بینظیر، جتوئی ہو یا نواز شریف۔ الطاف صاحب سب کے پسندیدہ اور مخلص 'بھائی' رہے۔ اور سب کی سرپرستی میں 'الطاف بھائی' خوب پلے پھیلے۔ اللہ ظلم کو دیر تک برداشت نہیں کرتا وہ کسی بھی غیر متوقع ذریعہ سے ظالموں کو اُن کے انجام تک پہنچا دیتا ہے۔ ظالم کے سرپرست بھی اُتنے ہی ظالم ہیں۔ دستِ قدرت کے عتاب سے بچ کر کہاں جائیں گے۔ کون جانے کونسا عقوبت خانہ کس سرپرست کے انتظار میں ہے۔

تاج رحیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نعت

سرورِ ہر دو سرا آمد محمدؐ مصطفےٰ — صدرِ بزمِ انبیا و فخرِ جمعِ اصفیا
سیّدِ اولادِ آدمؑ بادشاہِ انس وجاں — ہست او خیرالبشر خیرُالرُّسل خیرالوریٰ
آفریدے گر نہ ذاتِ پاکِ احمدؐ را خدا — کے بُدے جن و بشر حور و ملک ارض وسما
باعثِ ایجادِ عالم موجبِ تخلیقِ خلق — لاجرم شد محرمِ اسرارِ ربِّ ذوالعُلا
بسکہ علمِ غیب باشد خاصۂ ذاتِ احد — مصطفےٰؐ را شد میسّر آنچہ خود دادش خدا
در نظرِ ابنائے وطن بودہ امین بے بدل — حتّٰی کہ شد ضرب المثل در خصلت صدق و صفا
بر سائرِ اہلِ جفا کردہ چو حق بخشش عطا — بخشید ہر جرم و خطا آں پیکرِ مہر و وفا
انجامِ لطفِ ایں چنیں بودہ کہ جملہ اہلِ کیں — گشتند بر دینِ متیں مانندِ پروانہ فدا
ذوقِ اطاعت را نگر شوقِ ریاضت را بہ بیں — کز کثرتِ زہد و عبادت ورم کردہ ہر دو پا
فخر بر فقر و قناعت لیک در داد و دہش — معدنِ لطف و عطا ابرِ کرم بحرِ سخا
مونس و غمخوارِ انساں خیر خواہِ خاص و عام — غمگسارِ دلفگاراں درد منداں را دوا
ممدوح و مطلوبِ خدا محبوبِ ذاتِ کبریا — بیکساں را تکیہ گاہ و ملجا و ماوائے ما
مالکِ خلقِ عظیم و صاحبش روح الامیں — رحمۃ اللعالمین و سرورِ ہر دوسرا
ہر چند میگوید کسے وصف و ثنائش مدّتے — ناگفتہ ماند دفترے از نعتِ محبوبِ خدا
ہرگز نہ گنجد در بیاں شرحِ جمالِ دلستاں — چند آنکہ ماند در جہاں زیں کار کس عہدہ برآ
بادا درودِ بیکراں بہ خاتمِ پیغمبراں — بر آل و بر اصحابِ آں شاہنشہِ گیتی پناہ

انورؔ بود ثابت قدم بر دینِ قیّم دائماً
باشد شفیعش از کرم خود شافعِ روزِ جزا

سیّد انور علی شاہ۔ لاہور

غلبۂ اسلام

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝

اس آیہ مبارکہ نے انسانی زندگی، عالم دنیا، اس میں وقوع پذیر ہونے والے حادثات، خیر و شر کا تصادم، اس میں انسان کا کردار اور حصہ اور اس سب پر مرتب ہونے والے نتائج اُخروی کے بیشمار پہلوؤں سے بحث کی ہے بہت سے پہلو اس آیہ کریمہ کے میں متعدد بار بفضل اللہ عرض کر چکا ہوں آج اس پر اس کے ایک اور روشن پہلو سے نگاہ ڈالئے تو آپ دیکھیں گے کہ رب جلیل نے اپنا تعارف اپنی معرفت کا سارے کا سارا حصہ جو انسان حاصل کر سکتا ہے اپنی ذات کے متعلق وہ سارا شعور جو انسان پا سکتا ہے اُس کو اس آیہ کریمہ میں ارشاد فرما دیا۔

هُوَ الَّذِیٓ ۔ اللہ وہ ہے اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی جس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہٖ وسلم کو ہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا گویا ایک بات طے ہو چکی اس آیہ کریمہ کے حوالے سے کہ معرفت الٰہی کا واحد راستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہٖ وسلم کی ذات کریم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہٖ وسلم کے ساتھ ایمان، عقیدت، اطاعت، ادب، احترام نہ رکھنے والا کبھی ذات باری سے آشنا ہو نہیں ہو سکتا۔ کبھی اُس کے شعور میں اس کے فہم و ادراک میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ میرا کوئی خالق بھی ہے میرا مالک بھی ہے مجھے اس کے سامنے جواب بھی دینا ہے اور یہ ہماری روزمرہ کی زندگی سے ہمارے ماحول سے، ہمارے گرد و پیش سے یہ بات ظاہر ہے کیا آپ کو حیرت نہیں ہوتی کہ جب ہم سب کہتے ہیں اللہ ہمارا خالق ہے جب ہم سب اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں جب ہم سب اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ دنیا کے ہر عمل کو ہمارا پروردگار دیکھ رہا ہے جو کچھ ہم کرتے ہیں اُس کے سامنے کرتے ہیں جو کہتے ہیں وہ سُن رہا ہے اور پھر یہ بھی ہمارا ایمان ہے کہ اس سارے کا جواب ہمیں اللہ کے روبرو دینا ہوگا۔ اس سارے اقرار کے بعد کیا مسلمانوں کے کردار کی اصلاح ہو گئی۔ کیا ہم گناہ سے اجتناب کرتے ہیں کیا ہم جھوٹ بولنے سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں کیا ہم کسی کو دھوکا نہیں دیتے۔

کیا ہم اپنے کردار کو اس سانچے میں ڈھال رہے ہیں جو قرآن کا مقصود اور معیار ہے بالکل نہیں کیوں؟ جب ہر شخص یہ مانتا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اُس کی تخلیق ہوں اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اللہ میری حرکات کو دیکھ رہا ہے میری ہر آواز کو سُن رہا ہے اور مجھ سے باز پُرس بھی کرے گا تو پھر ہم اپنے کردار میں اُس کی اطاعت کیوں نہیں کرتے؟

اس لئے کہ ہم جانتے نہیں ہیں ہم ایک سُنی ہوئی بات کو دہراتے ہیں علم میں اور خبر میں بہت بڑا فاصلہ ہوتا ہے خبر میں آپ ایک جہان کی اخبار کے ایک صفحے پر پڑھ لیتے ہیں لیکن اُس سے آپ کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہم پڑھتے ہیں فلاں کو گولی لگی۔ فلاں پر خنجر چلا، فلاں کا گھر جل گیا۔ یہ خبر ہے اس سے ہمارے مزاج، ہمارے وجود، ہمارے معاشی حالات پر کوئی اثر نہیں پڑتا لیکن خدانخواستہ ہمیں گولی لگ جائے آگ میں کودنا پڑ جائے کوئی خنجر سے زخمی کر دے یا خدانخواستہ ہمارا گھر جل جائے تو کیا ہوتا ہے؛ وہ علم ہوگا جو ہمارا حال بن جائے گا۔ خبر میں اور علم میں یہ فاصلہ ہوتا ہے کہ علم انسان کا حال بن جاتا ہے اور خبر محض شنید رہتی ہے۔

تو معرفت الٰہی کی خبر تو ہمارے پاس ہے۔ اُس کا علم ہمارے پاس کیوں نہیں ہ؟ اس لئے کہ اس کے علم کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے اطاعتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہٖ وسلم اگر ہم سے اتباعِ سنت چھوٹ گیا اگر ہم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت چھوٹ گئی تو ہمارے پاس محض خبر رہ گئی کہ کوئی خدا بھی ہے کوئی اللہ بھی ہے کوئی خالق بھی ہے اور وہ دیکھتا بھی ہے لیکن ہماری ذات کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے ہم کیا کر رہے ہیں اس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے یہ علم نہیں ہے محض خبر ہے اس خبر کی بدولت ہم دنیا میں مسلمانوں کے شمار میں، گنتی میں، تعداد میں ضرور ہیں بظاہر ہمیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن جب اللہ کے روبرو میدانِ حشر میں پیش ہوگی تو بات علم پر ہوگی بات حال سے کی جائے گی کہ تمہارا حال کیا ہے اس سے نہیں کی جائے گی کہ تم کہتے کیا ہو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں نسبت کیوں نہیں رہی جب کہ ہم مانتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعلمین ہیں تو کائنات میں جہاں کہیں کوئی شمہ رحمتِ الٰہی کا موجود ہے جہاں کہیں کوئی آرام و سکون کا لمحہ موجود ہے جہاں کہیں راحت کی کوئی گھڑی موجود ہے جہاں کہیں بھی عزت و وقار کا کوئی قطرہ موجود ہے تو یہ سارا رحمتِ الٰہی سے ہے اور رحمت سے محرومی تو عذاب ہے۔

جہاں کہیں دُکھ ہے تکلیف ہے، پریشانی ہے، بُرائی ہے، فساد ہے اس کا مطلب ہے رحمت سے محرومی ہے تو پھر جب ہمیں پتہ ہے کہ سارا چین، سارا آرام، سارا سکون، سارا وقار، ساری عزت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں ہے تو ہم کیوں نہیں کرتے اور ظاہر ہے کہ ہم نہیں کرتے، ہمارے دن بھر کے کردار کو اگر ہم خود جانچیں کوئی بھی شخص صبح کاپی پنسل رکھ لے اور شام تک جو اُس کے مُنہ سے نکلا لکھتا جائے تو میں نہیں سمجھتا کہ سو میں سے کوئی ایک آدھ آدمی کو تو چھوڑ دو ننانوے آدمی ایسے ہوں گے جو کاپی کا ورق کسی دوسرے کو دکھانے پر بھی شرمندگی محسوس کریں گے صرف ہم اپنا محاسبہ نہیں کرتے تو وہ بات چلتی ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟

معرفت الٰہی کا انحصار ہے معرفت رسالت پر اور معرفت رسالت کا بھی انحصار ہے بعض چیزوں پر، ذرے بھاگ دوڑنے سے نہیں مل جاتی۔ ذرا کہہ دینے سے نصیب نہیں ہو جاتی۔ اس کا انحصار ہے۔

بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوا۔ ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ اور اس غرض سے مبعوث فرمایا اللہ کریم نے کہ یہ دین اور یہ ہدایت تمام ادیان عالم پر غالب آئے۔ گویا معرفتِ نبوت کا انحصار اس کوشش میں ہے جو غلبہ اسلام کے لئے کی جائے۔ کوئی بھی شخص جو غلبہ السلام کے لئے، دین کی سربلندی کے لئے، ادیان عالم پر دین کو غالب کرنے کے لئے کوشش نہیں کرتا وہ کہہ تو سکتا ہے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے وہ محبت سے آشنا ہو نہیں سکتا تو اسے اللہ جل شانہٗ نے مشروط کر دیا ہے۔ . . . .

جب شرط معدوم ہوتی ہے تو اس کی جگہ معدوم ہو جاتی ہے مشروط معدوم ہو جاتا ہے کسی بھی کام کو آپ کسی وصف سے مشروط کر دیں آپ کہہ دیں کہ جو کھڑا ہوگا اُسے پانی ملے گا اگر کوئی بیٹھا ہے تو اس کا مستحق نہیں بنتا۔

ربِ جلیل نے بھی اسی طرح بڑے واضح الفاظ میں ارشاد فرما دیا کہ معرفتِ رسالت جو ہے قربِ رسالت جو ہے یا عشقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جو ہے! محبت جو ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ اس شخص کو نصیب ہوگی جو غلبہ اسلام کے لئے تن من دھن کو لگا دے گا۔ کیونکہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہی اس لئے ہوئی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کیوں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھے اس لئے کہ غلبہ اسلام کے لئے ہر وہ کوشش انہوں نے کر ڈالی جو اس کے بارے ان سے ممکن تھی اور غلبہ اسلام کی کوششوں کی بنیاد یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان اپنے وجود پر اپنی ذات پر اسلام کو غالب و نافذ کرے ایک قانون ہے جو دنیا پہ نافذ کرنا چاہتا ہے اور خود اُس قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ کیسے نافذ ہوگا۔

مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ دین سب سے کمزور شے ہے سب سے ناکارہ چیز ہے مسلمان کے لئے اور کہیں سے کوئی معمولی سی زد بھی پڑے تو دین والے لوگوں کا نماز روزہ اس سے چھوٹ جاتے ہیں باقی سارا کام ہوتا رہتا ہے آج نماز نہیں پڑھی کیوں نہیں پڑھی طبیعت خراب تھی۔ کھانا کھایا تھا۔ کھایا تھا دفتر گئے تھے۔ گئے تھے۔ کام پر گئے تھے۔ گئے تھے۔ ملنے والوں سے ملے تھے۔ ملے تھے۔ باقی سارے کام کیے لیکن عبادت کیلئے طبیعت خراب تھی۔ کوئی مہمان آ گیا نمازیں چھوٹ گئیں۔ کسی سے ملنے چلے گئے۔ عبادت چھوٹ گئی۔ تو سب سے کمزور کام جو ہمارے پاس ہے جسے معمولی سے اعتراض کے بعد جسے ہم چھوڑ سکتے ہیں وہ دین ہے تو جس شخص کے پاس اتنا کمزور دین ہے وہ اس کے غلبہ کے لئے کوشش کب کریگا یہ حال تو اُن لوگوں کا ہے جو مجھ جیسے دیندار کہلاتے ہیں اور خود کو بڑا دین کا چیمپئن سمجھتے ہیں اس کے علاوہ جو مسلمان ہیں انہیں نماز پڑھنے کی فرصت ہی نہیں سجدہ کرنے کی ان کے پاس فرصت ہی نہیں ہے اور اسے وہ کوئی اہمیت نہیں دیتے وہ سمجھتے ہیں یہ بھی کوئی کام ہے کسی شریف آدمی کے کرنے کا۔ تو غلبہ اسلام میں ہماری کوششوں کا یہ حال ہے کہ ہم اسے اپنی ذات کے قریب بھی آنے نہیں دیتے۔ دنیوی معاملات میں ہر آدمی سمجھدار ہے دوسروں سے زیادہ پیسہ کمانا چاہتا ہے دوسروں سے زیادہ تنخواہ کی فکر رکھتا ہے ہر موڑ پہ فکر ہوتی ہے میری سالانہ ترقی نہیں لگی میری تنخواہ بڑھنی چاہیئے تھی۔ کبھی کسی نے یہ فکر بھی کی ہے کہ مجھے نماز ادا کرتے ہوئے پچاس برس بیت گئے اب تو میری نماز زیادہ مزے دار ہونی چاہیئے تھی اس میں مجھے ترقی ہونی چاہیئے تھی اس میں میرا خشوع و خضوع بڑھنا چاہیئے تھا اس میں میری توجہ اور دھیان جو قلبی ہے ایک شخص وہ زیادہ ہو جانا چاہیئے تھا دکان کے معاملے میں ہم سمجھتے ہیں کہ اتنا عرصہ ہو گیا ہے اس میں دس لاکھ روپے لگائے تھے وہ ابھی تک دس کے دس ہی ہیں بیس کیوں نہیں ہو گئے۔ تنخواہ کے معاملے میں ہم سمجھتے ہیں کہ اتنی سروس ہو گئی۔ ترقی کیوں نہیں ہوئی۔ اتنی سروس ہو گئی میرا رینک کیوں نہیں بڑھا۔ اتنا عرصہ ہو گیا میری انکریمنٹ لگنی چاہیئے کبھی ہم نے دین کے بارے میں یہ سوچا ہے کہ میں پیدا ہی مسلمانوں کے گھر ہوا تھا میری عمر ساٹھ برس ہو گئی ہے۔ ساٹھ سالوں میں دین میں کتنی انکریمنٹس لگیں میری کتنی ترقی ہوئی۔ کتنے مقامات بلند ہوئے۔ کتنے درجات بڑھے۔ اس لئے کہ نہیں وہ فکر وہ شعور ہی نہیں ہے اور اگر یہ شعور نہیں ہو گا اگر یہ فکر نہیں ہو گی اگر ہم اسی بات پر رہے خط لکھتے ہیں لوگ آپ دعا کریں میں نمازی ہو جاؤں۔ تو میری دعا سے آپ نمازی کیسے ہو جائیں گے اللہ کے کہنے سے نہیں، قرآن کا حکم سن کر نہیں ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی کے احکام سن کر نہیں ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری سیرت طیبہ کو پڑھ کر نہیں ہوئے تو میں کون ہوتا ہوں کہ میری دعا سے آپ نمازی ہو جائیں گے نمازی ہونے کے لئے آپ کو میری دعا کی نہیں اُسی احساس کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے جو بحیثیت مسلمان ہر مسلمان کے ساتھ ہونا چاہیئے کسی تعویز سے نہیں کسی دعا سے نہیں اگر میری دعا آپ کو باندھ کر نماز پڑھا سکتی تو وہ خود جس نے آپ کو پیدا کیا جس نے آپ کو شکل دی جس نے آپ کو قوت دی جس کی دی ہوئی زندگی آپ گزار رہے ہیں حکماً چاہتا تو ہر شخص کو ہمیشہ سربسجود رہنے کا حکم دے دیتا کوئی اُٹھ ہی نہ سکتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اس نے اپنی معرفت کے لئے انسان کا رستہ کھلا چھوڑ دیا۔

إِنَّا هَدَيْنَٰهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا۔

اب دونوں راستے کھلے پڑے ہیں کوئی شکر کرے نہیں کرتا، ناشکری کر کے بھی دیکھ لے کہ وہ راستہ اُسے کہاں لے جائیگا تو جب ہم جانتے بوجھتے ہوئے اُس راستے کی طرف نہیں بڑھتے تو یہ محض بہانہ ہو گیا کہ

کوئی دعا کرے تاکہ میں نمازی ہو جاؤں۔ جسے سفر پر جانا ہوتا ہے وہ رات بھر نہیں سوتا کہ میری گاڑی چھوٹ نہ جائے میں دیر سے نہ چلا جاؤں۔ لیکن نماز کے لئے کوئی ہمیں جگانے کو نہیں اٹھاتے۔ کیوں؟ عبادت کیا ہمارا زادِ راہ نہیں ہے، وتزودوا۔ اپنا خرچ سفر اکٹھا کرو، جمع کرو اور زادِ سفر کیا ہے اِنَّ خیرَ زادِ التقویٰ۔ نیکی ہی سفر کا بہترین زادِ راہ ہے۔ تو خدانخواستہ اگر ہم پر یہی غفلت رہی ہم یہ سمجھتے رہے کہ ہم جلوس نکالتے ہیں کہ اسلام نافذ کرو اور ہم نعرے لگاتے ہیں ہم بسیں جلادیتے ہم دکانیں جلادیتے ہیں۔ ہم لوگوں کو گولی مار دیتے ہیں کہ اسلام نافذ کرو۔ تو یہ اسلام نافذ کرنے کا طریقہ نہیں ہے۔ کوئی نیکی کبھی فساد سے قائم نہیں ہوتی کوئی نیکی برائی کرنے سے حاصل نہیں ہوتی نیکی کا ایک راستہ ایک اپنا طریقہ ہے نیکی کے راستے کو جو روکے اس کا مقابلہ کرنا تو جہاد ہے لیکن خود ترک عمل کر کے لوگوں کو لڑانا جھگڑا نا شور کرنا اور اپنی ذاتی شہرت کے لئے اسلام کو ڈھال بنانا ایسے لوگوں سے وہ لوگ بہتر ہیں جو ڈاکو کہلاتے یا جو چوری کر کے بدنام ہوئے جو لوگ اغوا کر کے لوگوں سے تاوان لے لیتے ہیں وہ کم مجرم ہیں ان لوگوں سے جو اسلام کو اپنی شہرت کا اور حصول زر کا ذریعہ بناتے ہیں بہت بڑا مجرم وہ ہے جو دین کو روزی کا ذریعہ بناتا ہے یا دین کو اپنی شہرت کا سبب بناتا ہے یا دین کے نام کو استعمال کر کے خود اپنے مفادات حاصل کرنا چاہتا ہے یہ سارے جہان کے ڈاکوؤں سے بہت بڑا ڈاکو ہے۔

رب جلیل نے ایک بڑا قیمتی اور نادر نسخہ اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے اور وہ ہے کہ میرے ساتھ تعلق بڑھانے کے لئے میری معرفت کو پانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاننے اور پہچاننے کیلئے آپ کی اطاعت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کے لئے دین کے غلبے کے لئے جان لڑانے کے واسطے ایک تدبیر ہے اور وہ یہ ہے کہ میرا ذکر بہت کثرت سے کیا جائے زندگی میں جتنے کام تم کرتے ہو ان سب میں سے زیادہ جو کام ہے وہ میرے نام کو دہرانے کا ہے کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حال میں اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ۔ کھڑے ہوئے لیٹے ہوئے بیٹھے ہوئے چلتے ہوئے بازار میں گھر میں میدان کارزار میں سفر میں حضر میں ہر جگہ فرمایا میرے نام کو دہراتے رہو لیکن یہاں حال یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں آپ ہی دعا کریں ذکر کرنے کا کام نہیں ہوتا ذکر بھی نہیں ہو سکتا عبادت بھی نہیں ہو سکتی تو پھر تلاش کیجئے کمی کہاں ہے یعنی رب جلیل نے جس کام پر اتنا زور دیا ہے اور اتنی شدت سے جس کا حکم دیا جائے اور جس کے نقصانات گنوائے ہیں اور جس کام کو کرنے کے لئے کسی لمحے کو مختص نہیں فرمایا۔ فرمایا ہر وقت ہر لمحے ہر آن اور ہر حال میں کرتے رہو اتنا ضروری ہے۔

عبادات ساری ضرورت ہیں انسان کی اللہ کی ضرورت نہیں ہے لوگ عبادت کریں گے تو اللہ کی عظمت بڑھ جائے گی؟ نہیں کریں گے تو معاذ اللہ اس میں کوئی کمی ہو جائے گی؟ اللہ محتاج نہیں ہے کسی کی عبادت کا۔ اللہ کی عبادت انسان کی ضرورت ہے کہ وہ عبادت ہی کے ذریعے اپنی ذات کا تعلق اپنے دل کا، اپنی روح کا تعلق، اس کی ذات سے قائم کر کے اس کے انوارات، اس کی برکات، اس کی تجلیات، اس کی تعلیمات کو حاصل کر سکے۔ عبادت اس طرح ضروری ہے انسانی روح کے لئے جس طرح بدن کیلئے کھانا اور جس طرح بغیر پانی کے بغیر کھانے کے، بدن میں حیات باقی نہیں رہتی اسی طرح عبادات کے چھوٹ جانے سے روح میں حیات باقی نہیں رہتی۔ روح کی حیات نور ایمان ہے۔ بدن سے روح کا جدا ہو جانا اس کی موت کا سبب ہوتا ہے اور روح سے ایمان کا جدا ہو جانا اس کی موت کا سبب ہوتا ہے۔ اگر عبادات میں سستی ہو گی تو جس طرح بدن کو آپ ملاوٹ والا کھانا دیں، کم کھانا دیں یا خراب کھانا دیں تو اس کی صحت خراب ہو جاتی ہے اسی طرح سستی اور تساہل والی نمازیں، سستی اور تساہل والی عبادت روح کو کمزور کر دیتی ہے۔ لیکن جس طرح کھانے کا وقت ہے صبح اور شام کھانے کی ایک تعداد اور مقدار ہوتی ہے اتنی ہم کھا سکتے ہیں اسی طرح عبادات نماز، روزے، حج و زکوٰۃ کے اوقات ہیں ان کی تعداد ہے بدن کیلئے ایک شے ایسی بھی ہے جو لاتعداد ہے جس کا کوئی وقت نہیں۔ کوئی حد

نہیں اور وہ ہے ہوا اور آکسیجن۔ سانس لینے کا عمل بدن کے لئے پانی پینے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ کھائے پیئے بغیر شاید دو تین دن گزر جائیں لیکن سانس کے بغیر تو چند لمحے بھی نہیں گزریں گے تباہ ہو جائے گا جس طرح بدن کے لئے سانس لینا اہم ہے اسی طرح روح کے لئے اللہ کا ذکر اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے جس طرح کسی کا سانس آپ روک دیں تو وہ کھانے پینے کے قابل بھی نہیں رہتا موت کے علاوہ اس کے پاس دوسرا راستہ کوئی نہیں رہتا اسی طرح روح سے ذکر الٰہی کو روک دیا جائے تو وہ عبادات کے قابل نہیں رہتا اسی لئے عبادات کے اوقات ہیں جس طرح کھانے پینے کے اوقات ہیں سانس لینے کا کوئی وقت نہیں ہے ہر لمحے ہر گھڑی سوئے ہوئے ہوں یا جاگتے ہوں سفر میں ہوں یا گھر میں ہوں لڑ رہے ہوں یا کھیل رہے ہوں سانس ہر حال میں جاری رہے گا اپریشن تھیٹر پر بھی۔ کھانا نہیں کھا سکتے پانی نہیں پی سکتے پیٹ کھولا ہوا ہے ڈاکٹر زخم سی رہا ہے لیکن سانس لینا، دل کو دھڑکنا ہوگا خواہ اُسے مشین کے ساتھ ہی سپورٹ کریں اگر اس نے اپنا عمل چھوڑ دیا تو بات ختم۔ اسی طرح ذکر الٰہی اتنا ہی ضروری ہے روح کی حیات شعور اور بقا کے لئے جتنا بدن کے لئے سانس اور آکسیجن کی ضرورت ہے اللہ کریم نے اس پر یہی ارشاد فرمایا۔

کہ کھڑے ہو بیٹھو ہو لیٹے ہو ہر حال میں ہر موقع پر ہر جگہ اور ہر وقت میرا نام دہراتے رہو۔ تو بنیادی بات یہ ہے کہ مسلمان سے جب اللہ کا ذکر چھوٹتا ہے تو اس کے روح سے استعداد گئی پھر عبادات چھوٹ گئیں اور دعاؤں میں لگی رہ گئی۔ عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم گیا حتیٰ کہ ہیبت الٰہی بھی رخصت ہوئی اور باتیں رہ گئیں افسانے رہ گئے قصہ رہ گیا اُس لکیر کو اس قصے کو اس افسانے کو لیکر ہم اپنے اسلام کے مدعی بنے ہوئے پھر رہے ہیں۔ کیا کبھی آپ نے دیکھا آپ نے کبھی سوچا آپ کو کبھی حیرت نہیں ہوئی کہ دنیا میں دو سو کروڑ مسلمان ہیں اور دنیا میں ایک گاؤں ایسا نہیں ہے جس پر اسلام نافذ ہو۔ دنیا میں ساٹھ کے قریب مسلمانوں کی حکومتیں ہیں اور ساٹھ حکومتوں میں ایک چھوٹا سا گاؤں بھی ایسا نہیں ہے جس پر اسلام نافذ ہو کبھی آپ کو حیرت نہیں ہوئی آپ کے مقابلے میں عیسائیوں کا جہاں پوپ رہتا ہے انہوں نے ایک پورے شہر میں ایک حکومت ہی الگ بنا دی ہے کسی حکومت کی مداخلت ہی نہیں۔ پوپ جانے اور وہ شہر جانے۔ وہ غلط کرتے یا صحیح کرتے ہیں۔ کوئی ایک شہر تو ایسا ہے جس پر پوپ کی حکومت ہے ان کے مذہب کی حکومت ہے دنیا کی مغضوب ترین قوم یہودی۔ ان کی مذہبی ریاست ہے دنیا کی بے وقوف ترین قوم سکھ۔ وہ اپنی مذہبی ریاست لیے بیٹھے ہیں۔ دنیا کی کمزور ترین قوم ہندو۔ اُن کی اپنی مذہبی ریاست موجود ہے وہ کہتے سیکولر سٹیٹ ہے لیکن وہ کبھی سیکولر سٹیٹ نہیں ہے نہ تھی اور نہ ہے۔ دنیا میں کمیونسٹوں کا نظام رائج ہے دنیا میں دہریوں کا نظام رائج ہے۔ اور مسلمان ہیں جو اسلام کو چھوڑ کر، اتباع رسالت کو چھوڑ کر، اللہ کے قانون کو چھوڑ کر، پیرس سے لیکر نیویارک اور گڈریئے سے لیکر وزیر تک بڑے بڑے علماء، بڑے بڑے سیاستدان، بڑے بڑے نامور جمہوریت کا پرچار کرتے ہیں۔ بغیر یہ پوچھے کہ جمہوریت ہے کیا۔ بغیر یہ سوچے کہ یہ آئی کہاں سے اور بغیر یہ جانے کہ یہ سارا تخیل کس کا ہے یہ سارا نظریہ کس قوم کا ہے، کن لوگوں کا ہے۔ عجیب دو سو کروڑ یا دو ارب مسلمانوں میں ایک چھوٹی سی آبادی بھی ایسی نہیں جس پر اسلام نافذ ہو۔ مسلمانوں کو عشق نبوت نصیب کیسے ہوگا جب مشروط ہی کر دیا گیا ان لوگوں کیلئے جو غلبہ اسلام کے لئے کوشاں ہوں۔ اس تکلیف دہ صورتحال میں کم از کم ہم اتنی مدد ضرور کر سکتے ہیں کہ ایک مسلمان پر ایک تنفس پر ہم اسلام کو نافذ کر سکتے اور وہ تنفس خود ہماری اپنی ذات ہے میں بھی آپ بھی ہم میں سے ہر ایک اللہ ہمیں توفیق دے تو ہم اتنا کام تو کر سکتے ہیں کہ ایک مسلمان اپنے وجود پر پورا اسلام نافذ کر دے اگر ہم سے یہ بھی نہیں ہو سکتا تو پھر ہم غلبہ اسلام کے لئے کیا کر رہے ہیں؟ کیا کر سکتے ہیں؟ اور جب ہم اس کام کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تو ہمارا رشتہ بہت کمزور پڑ جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ کے ساتھ، دین کے ساتھ، ایمان کے ساتھ۔

آپ حیران ہو نگے یا ہوتے ہوں گے یا آپ کو ہونا چاہیے اگر نہیں ہوتے کہ اب تو موت بھی اشتہار کا ذریعہ بن گئی ہے کوئی مرتا ہے تو اس کی موت کو بھی شہرت کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اس طرح سے جنازے میں اتنی

رسومات بھوں گی دیگیں پکیں گی آتنا کھانا ہو گا اتنے روز لوگوں کی دعوت ہو گی اس میں بھی کسی کو یہ فکر نہیں ہوتی کہ مرنے والے کو کم از کم شرعی طریقے سے اور بغیر رسومات کے اور محض اللہ کی بخشش کے لئے اس کے ساتھ وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو دفن کرنے کا مسنون طریقہ ہے اور اس کے لئے دعا کی جائے اس کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کی جائے مرنیوالے کو بھی ہم اپنی شہرت، اپنی بڑائی، اپنی ناموری کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ پٹاخے چلاؤ جلوس آرہا ہے، پٹاخے چلاؤ میلاد آرہا ہے، جلوس نکالو یعنی ہر غیر شرعی کام سے اسلام نافذ کیا جارہا ہے، سڑکوں پر بے ہودگی کرنے سے گاڑیاں توڑنے سے، شور کرنے سے، کھپ ڈالنے سے اسلام تو نافذ نہیں ہوتا۔ کاش ہم میدان حشر میں اتنا سا تحفہ لے جائیں اپنے ساتھ اتنا سا زادِ راہ لے جائیں کہ یا اللہ اس ایک وجود کو جو تو نے مجھے بخشا تھا اس پر تو میں نے اسلام نافذ کر دیا اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھر اللہ ہی ہم پر رحم فرمائے۔ یہ روزمرہ کی ذلت یہ قتل و غارت یہ مسلمانوں کی بدحالی کے افسانے۔

اور مسلمانوں کے خون پر چندے کرنیوالے اور دکانیں چمکانے والے سیاستدان علماء اور پیران میں سے کوئی بھی ہمارے کسی کام نہیں آئے گا۔ اپنی کم از کم، کم از کم اپنی کوشش کو اتنا مضبوط ضرور بنائیے کہ ہم اس ایک وجود پر جو اللہ نے ہمیں دیا ہے اس پر ہم شریعت کو نافذ کر سکیں۔ اگر ہم اس میں غالب ہو گئے تو اتنا دروازہ معرفتِ الٰہی کا ضرور کھل جائے گا جتنا ایک وجود اسلام نافذ کرنے کے لئے ہونا چاہیئے شاید تجلیات باری کی وہ جلوہ افشانی ہمیں اور زیادہ دیوانہ کر دے اور ہم اس سے بڑھ کر کام کر گزریں ورنہ افسانہ ہو گا کہانیاں ہوں گی اور ہم ہوں گے حقائق میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی اللہ کریم ہمارے حال پر رحم فرمائے ہمارے گناہوں سے خطاؤں سے کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم نہ صرف اپنے وجود پر بلکہ پورے ماحول اور پورے عالم پر اسلام کے غلبے کا سبب بن سکیں۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

سالانہ اجتماع

۹ جولائی ۱۹۹۲ء سے دار العرفان (منارہ ضلع چکوال)
میں شروع ہے جو تقریباً چالیس روز تک جاری رہے گا۔
ضرور شرکت فرمائیے۔

تصوف کیا ہے؟

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اِس نشست میں میں یہ چاہوں گا کہ ہم اِس موضوع پہ بات کریں کہ بنیادی طور پر یہ تصوف ہے کیا۔ اِس کی ڈیفینیشن کیا ہے۔ اِس کی ضرورت کیا ہے اور یہ چیز اصل میں کیا ہے چونکہ یہ دور ایسا ہے کہ اِس دور میں انسان نے اتنی ایجادات کی ہیں۔ اللہ کریم نے انسانی عقل کو اور انسانی علوم کو وہ وسعت دی ہے اُس نے اتنی نئی نئی چیزیں ایجاد کی ہیں کہ اب اُس کی اپنی ایجادات اُس کے لیے بلائے جان بن گئی ہیں۔ انسان نے بڑی محنت و جانفشانی سے مشینیں ایجاد کیں اپنے آرام کے لیے اور واقعی اَب ہل چلانے، فصل بونے، کاٹنے سے لے کر آٹا پیسنے، آٹا گوندھنے پکانے تک برتن دھونے تک کا کام مشینیں کرتی ہیں۔ لیکن اُن مشینوں کو چالو رکھنے سے انسان کو فرصت ہی نہیں ملتی۔ جب یہ سارے کام وہ خود کرتا تھا تو یہ سارے کام کر کے کچھ وقت اُس کے پاس آرام کرنے کو، کچھ کسی سے ملنے کو کچھ مِل بیٹھنے کو بچ جاتا تھا۔ اَب جب یہ سارے فرائض اُس نے مشینوں کے ذمے لگا دیے ہیں تو وہ کاموں سے تو چھوٹ گیا لیکن مشینوں کو چالو رکھنے اور اُن کی مینٹینس سے اُس کے پاس وقت ہی نہیں بچتا تو اب اِس مصروف ترین زندگی میں جس میں فرائض کے لالے پڑے ہوئے ہیں آدمی کو فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ فرض نماز ہی ادا کر دے وہ اپنے بچوں کی خبر لے لے۔ وہ کچھ چند لمحے ستا ہی لے۔ اُس میں مزید اُس پر بوجھ لادنا کہ تم اِس طرح سے ذکر بھی کرو اور اِس طرح مراقبے کرو یہ محنت کرو اور وہ محنت کرو اور وہاں جاؤ اور یہاں آؤ تو یہ اِس کی کیا تُک بنتی ہے کیا ضرورت ہے۔ کیوں ایسا کیا جائے۔ یہ ایک عام فہم بات ہے کہ انسانیت ہمیشہ ماہرین کی محتاج رہتی ہے ہر زمانے کے لوگ ہر موضوع پر ماہرین کی رائے کو ہی اہمیت دیتے ہیں اور اُس کے پیچھے چلنے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ یہ انسانی مزاج ہے وجود انسان کا اپنا ہوتا ہے لیکن رائے ڈاکٹر سے لیتا ہے کاروبار اُس کا اپنا ہوتا ہے۔ رائے ماہر سے لیتا ہے گھر اپنا بنانا ہوتا ہے رائے نقشہ بنانے والے سے لیتا ہے۔ ہر موضوع پہ وہ یہ چاہتا ہے کہ اِس موضوع کا جو ماہر ہے وہ بات کرے تو انسانی زندگی کا آغاز و انجام اِس کا مالک خالق کون ہے کیسا ہے اور اُس کے اور انسان کے تعلقات کیا ہیں اُن کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے۔ زندگی اور موت کی حقیقت کیا ہے موت کِسے کہتے ہیں اور موت کے پردے میں بھی کیا کوئی جہان پوشیدہ ہے یا یہ ساری مخلوق کہاں جا رہی ہے۔ کہاں سے آ رہی ہے۔ یہ سارا سسٹم کیا ہے اِس موضوع کا ماہر ہوتا ہے اللہ کا نبی اور رسول علیہ السلام کوئی فلاسفر کوئی سائنٹسٹ کوئی مورّخ کوئی کسی بھی موضوع کا سپیشلسٹ اِس موضوع پہ بات نہیں کر سکتا۔ عام ماہرین

جو ہیں وہ زندگی کے اُس دَور پہ بات کرتے ہیں جب انسانی بدن میں جان پیدا ہوتی ہے۔ اُس کا بدن متشکل ہوتا ہے۔ وجود پذیر ہوتا ہے۔ جب اُس کی موت آتی ہے تو سارے ماہرین کی بحثیں تمام ہو جاتی ہیں۔ اُس کے وجود پذیر ہونے سے پہلے وہ کہاں سے آرہا ہے اور وجود پر موت طاری ہو جانے کے بعد اُس کا کیا انجام یا نتیجہ کچھ ہے یا نہیں ہے، اُسے کون پیدا کر رہا ہے کون اُسے زندگی دیتا ہے اور کون اُس پر موت مسلط کرتا ہے موت ہے کیا۔ جو لوگ یہ ساری بات بتاتے ہیں وہ اللہ کے برگزیدہ نبی اور رسول علیہ السلام ہوتے ہیں اور یہ ایسا علم ہے جو وہ کسی اُستاد سے دنیا میں آکر نہیں سیکھتے اِس فن کا ماہر زمین پر نہیں ملتا یہ وہ علوم ہیں جو اللہ کریم اپنے نبیوں علیہم السلام کو تعلیم فرما کر مبعوث فرماتے ہیں۔ اِس کا کوئی کالج کوئی انسٹی ٹیوشن کوئی یونیورسٹی کوئی ادارہ دنیا میں نہیں ملتا اور جو ادارے ملتے ہیں وُہ ملتے ہیں جو نبیوں سے حاصل کر کے آگے تقسیم کرتے ہیں ایسا ادارہ کوئی نہیں ملتا جس سے کوئی حاصل کر کے نبی بن جائے۔ تو ظاہر ہے کہ اِس موضوع پر تو بات وہی مانی جائے گی جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے جو اِس فن کے ماہر اور اِس فن کے فاضل لوگ ہیں۔ دوسرے ماہرین میں اور انبیاء علیہم السلام میں ایک بہت بڑا بنیادی فرق ہوتا ہے۔ ہر شعبے کا ماہر اس کا فلسفہ اُس کی تھیوری تو دے سکتا ہے۔ کیفیات نہیں دیتا۔ کوئی اگر ٹیکنیشن ہے تو وہ آپ کو ساری ٹیکنیکل تھیوری تو بتا سکتا ہے لیکن آپ کے اندر ٹیکنیشن بننے کا ایک جذبہ پیدا ہو جائے یہ اُس کے بس کی بات نہیں۔ کوئی اگر سائنٹسٹ ہے تو سائنس کے بہت سے حقائق آپ کو بتا سکتا ہے۔ کوئی اگر میڈیکل کا ماہر ہے تو وہ میڈیکل کی بہت سی باتیں آپ کو بتا سکتا ہے لیکن خوُد آپ کو میڈیکل سائنس کی سمجھ آنی شروع ہو جائے۔ آپ میں ڈاکٹر بننے کا ایک جذبہ پیدا ہو جائے یا آپ ڈاکٹر بن جائیں یا آپ سائنٹسٹ بن جائیں، وہ جذبہ دینا یہ اُس کا کام نہیں ہے۔

نبی علیہ السلام میں یہ کمال ہوتا ہے کہ وہ صرف تھیوری نہیں دیتا۔ اُس تھیوری کے ساتھ جذبہ دے دیتا ہے۔ یعنی نبی علیہ السلام اگر کسی کو اللہ کی توحید اور اللہ کی صفات کے متعلق خبر دیتا ہے تو جو نبی علیہ السلام سے خبر سُن کر اُس پر ایمان لاتا ہے اُس میں ایک جذبہ سمو دیتا ہے انجیکٹ کر دیتا ہے اُس کے اندر کوئی چیز دھنس جاتی ہے کہ پھر ساری دُنیا مقابل کھڑی ہو جائے تو وہ اللہ کی توحید پہ جما رہتا ہے۔ بات اُس کے اندر چلی جاتی ہے۔ یہ بنیادی فرق ہوتا ہے۔ اِسی کو قرآنِ حکیم نے تزکیہ کہا ہے۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ قرآن کی زبان نے اِس عمل کو تزکیہ کہا۔ ہے کہ اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی باتیں بتاتا ہے اللہ کے بندوں کو اور جو قبول کرے وَيُزَكِّيْهِمْ اور اُن کا تزکیہ یعنی اُن میں وہ احساس انجیکٹ کر دیتا ہے۔ ان کے اندر وہ بات ڈال دیتا ہے۔ اُن کے دل کے نہاں خانہ میں جہاں سے آرزوئیں جنم لیتی ہیں وہاں وہ ایک خوبصورت تبدیلی کر دیتا ہے کہ وہاں بجائے اللہ سے دُوری کے اللہ کے قرب کی آرزو جنم لینے لگتی ہے اُس کے لیے وہ قربانیاں دیتا چلا جاتا ہے۔ دیکھیں ہم بہت سی قربانیاں دیتے ہیں۔ اپنی سہولتوں، اپنے آرام یا اپنے لیے کوئی مقام حاصل کرنے کے لیے ہم بہت قربانیاں دیتے ہیں۔ آپ نے یہ دیکھا دو عالمی جنگوں میں ہمارے ملک کا شاید ہی کوئی خاندان کوئی گھرانا بچا ہو جس کے لوگ دنیا کے دور دراز ملکوں میں جا کر نہیں مارے گئے کیوں؟ حکومت برطانیہ کی تھی اِس ملک پر۔ لڑائی پوری دُنیا کی تھی۔ ہمارے اُن عام دیہاتی لوگوں کو

جاکر دور دراز ملکوں میں کوئی ہانگ کانگ مرا کوئی سنگھاپور مرا کوئی عرب کے صحراؤں میں موت سے ہم کنار ہوا۔ کوئی ہٹلر کی قید میں رہا کسی نے جاپانیوں سے اذیتیں اُٹھائیں۔ یہ سارا یہ کیوں گھر سے دور بال بچوں سے دور جان داؤ پہ لگا کے یہ سارا کیوں کسی کو دلچسپی نہیں تھی عالمی سیاست سے۔ یہ سارے لوگ وہ تھے جو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے آبرومندانہ زندگی گزارنے کے لیے اپنے بچے پالنے کے لیے اپنے خاندان کو زندہ رکھنے کے لیے اُس معمولی سی تنخواہ کے حصول کے لیے سب کچھ قربان کرکے وہ یہ کرتے رہے اس لیے کہ دُنیوی ضرورتوں کی ایک اہمیت ہمارے دل میں ہمارے وجود میں ہمارے ذہن میں موجود ہے۔ اُن تک ہماری نگاہ پہنچتی ہے۔ وہ ہمارے علم اور مطالعے اور تجربے میں ہے۔ ہم اپنے بزرگوں سے اپنے دائیں بائیں سے معاشرے سے وہ سیکھتے ہیں جانتے ہیں تو اُن ضروریات کی اہمیت ہے جس کے لیے ہم بہت سی قربانیاں دیتے ہیں۔ جب نبی علیہ السلام سے کسی کا تعلق بڑھتا ہے تو اُس کی نگاہ اتنی وسیع ہوجاتی ہے کہ وہ اِس دنیا کی ضرورتوں کے ساتھ اس دنیا سے پہلے اور اِس دنیا کے بعد کے حقائق سے باخبر ہوجاتا ہے۔

ایک عام مسلمان جو ایک چرواہا ہے یا ان پڑھ ہے یا جاہل ہے یا جنگل میں رہتا ہے وہ بھی یہ جانتا ہے کہ اِس بندے کو اللہ نے پیدا کیا اور موت زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ اِس دنیا سے دوسری دنیا میں داخلہ ہے اور وہاں جاکر اِن اعمال پر نتائج مرتب ہوں گے۔ اب یہ ایمان لانے کے بعد سہولتوں کی نوعیت بدل جاتی ہے وہ صرف اس حد تک محدود نہیں رہتی بچے پالنا ہے یا مجھے آرام سے رہنا ہے وہ اِس طرح بدل جاتی ہے کہ یہاں بھی آبرو سے گزارا ہو اور جب اگلی ابدی اور دائمی زندگی میں داخل ہو تو وہاں بھی مجھے عزت و آبرو ملے سکون اور آرام بھی ملے مجھے بھی ملے میرے بچوں کو بھی ملے میرے بزرگوں کو بھی ملے میرے ملنے والے دوستوں کو بھی ملے اور چونکہ نبی علیہ السلام کی تعلیم اُس کی نگاہ کو وہاں تک پہنچا دیتی ہے کہ اُس کی ترجیحات بدل جاتی ہیں۔ پھر وہ قربانیاں دیتا ہے صرف دنیا کے لیے نہیں بہت سی چیزیں بہت سی خواہشیں اس لیے قربان کرتا ہے کہ دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں سُرخرو ہوجائے۔ وہ جذبہ جو اتنی وسعتِ نظر پیدا کر دیتا ہے دِل کا وہ حال جو یہ کیفیت پیدا کر دیتا ہے کہ آدمی صرف دنیا۔ دنیا کے اقتدار۔ دنیا کے آرام کے لیے قربانی نہیں دیتا بلکہ دنیا کو بھی بعض اوقات آخرت پہ قربان کر دیتا ہے اُس کے نزدیک اُس کی دائمی زندگی کی حیثیت بڑھ جاتی ہے اِس جذبے کو دل میں ہونے کا نام قرآن حکیم نے تزکیہ رکھا ہے اور قرآن نے اپنی تعلیمات کا اس پر مدار رکھا انہیں مؤخر کر دیا کہ پہلے اللہ کا نبی علیہ السلام اپنے ماننے والوں کا تزکیہ فرماتا ہے اور اُس کے بعد یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ پھر انہیں قرآن کے حقائق اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔ جب اُن کی نگاہ وہاں تک پہنچ رہی ہو جہاں کے لیے قرآن حکیم عمل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ آدمی اگر وہاں سے باخبر ہی نہ ہو۔ ہم پاگل کسے کہتے ہیں جسے احساسِ ضرورت نہ رہے جسے سونے کی فکر ہو نہ جاگنے کی۔ تن ڈھانپنے کا احساس ہو نہ کھانے پینے کا ہوش۔ پاگل کو آپ یہ سمجھاتے رہیں کہ جناب اس روٹی کے کھانے میں یہ فائدہ ہے۔ سبزی کھانے سے یہ فائدہ ہے اِس میں اتنی مرچیں ہونی چاہئیں اتنا نمک ہونا چاہیئے یہ نہیں ہو تو یہ نقصان ہوگا۔ تو اس سے کیا حاصل ہوگا کچھ بھی نہیں کیونکہ اِسے احساسِ ضرورت ہی نہیں ہے۔ تو قرآن حکیم نے بھی وہی اسلوب دیا ہے کہ آخرت کے لیے اُخروی ضرورتوں کا احساس پہلے پیدا ہو احساسِ ضرورت

پہلے آئے اور پھر تکمیل ضرورت کے وسائل بتائے جائیں تو وہ جو احساسِ ضرورت ہے ابدی دائمی زندگی کے لیے اپنے اور اپنے مالک کے تعلقات کے لیے اپنے انجام اور اپنے دوستوں یا بزرگوں یا اولاد کے انجام کے لیے جو ایک احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم سب کو کہاں جانا ہے وہاں کیا کرنا ہے۔ وہاں کیا پیش آئے گا اس سے سرخرو ہونے کے لیے کیا کرنا چاہیئے یہ احساس اور شعور جو بیدار ہوتا ہے اِسے قرآن تزکیہ کہتا ہے اور اِس کو اللہ کی کتاب بنیاد اور ضرورت قرار دیتی ہے تعلیمات کتاب کی اگر یہ نہ ہو تو تعلیمات اُس آدمی کے لیے ایسے ہی ہیں جیسے ایک پاگل کو ہم کسی دوائی کے فوائد بتاتے رہیں یا اُسے لباس کے فوائد اور نقصانات بتاتے رہیں یا اُسے کھانے پینے کے فوائد ونقصانات بتاتے رہیں تو آپ اُسے پکڑ کر بٹھائے رکھیں بتاتے رہیں بتاتے رہیں اُٹھے گا تو اُس پر کوئی اثر نہیں ہوگا چونکہ اُسے احساس ضرورت ہی نہیں تو اُخروی اور دائمی زندگی کی ضرورتیں اِس کا احساس جو دل میں آتا ہے اِسے قرآنِ حکیم تزکیہ کہتا ہے اور اِسی تزکیے کا ترجمہ کیا گیا ہے تصوف۔

جو لوگ تصوف کے نام سے الرجک ہیں تصوف کا نام چھوڑ دیں۔ تصوف کی ضرورت نہیں ہے۔ تصوف کوئی منزل من اللہ نام نہیں ہے لیکن تزکیے کی جو حیثیت ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس سے انکار کیا جائے تو سارے نظامِ نبوت اور دین پہ زد پڑتی ہے۔ اُس سارے کا کوئی فائدہ تک باقی نہیں رہتا تو یہ تزکیہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کیسے کرتے تھے۔ نبی علیہ السلام کو اللہ کریم ایک قوت دیتا ہے۔ نبی علیہ السلام کے دل میں ایک ایسا نور ہوتا ہے ایک ایسی روشنی ہوتی ہے ایک ایسی لائٹ ہوتی ہے کہ کسی بھی انسان کے دل میں جب قبولیت کا مادہ آجائے جب کوئی بھی انسان یہ فیصلہ کرے کہ میں نبی علیہ السلام کی بات قبول کرتا ہوں تو NO IN = WITH TIME یعنی اُس بس کوئی ذرہ ایک لمحہ نہیں لگتا۔ عین اُسی لمحے جیسے وہ فیصلہ کرتا ہے اُس روشنی کا انعکاس یا ریفلیکشن اُس مقابل کے دل کو روشن کر دیتا ہے اور اس کی طاقت اتنی ہوتی ہے کہ موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فرعون سے بات کر رہے تھے تو انہوں نے فرمایا:

ھل لك الی ان تزکیٰ۔ کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیرے دل کو شفاف کر دوں۔ اتنا شفاف کر دوں و اھدیك الی ربك کہ تجھے اللہ کی سمت کے سارے راستے تجھے نظر آنے شروع ہو جائیں۔ فتخشیٰ اور تیرے دل میں اللہ کا اتنا قریبی تعلق پیدا ہو جائے کہ تو بات بات پہ اللہ کی ناراضگی سے لرزنے لگ جائے اتنے قریب چلا جائے تو اللہ کے کہ تو ہر کام میں اس کی رضا کو مقدم سمجھنے لگ جائے۔ یعنی اگر مقابل فرعون بھی ہو تو جب وہ یہ فیصلہ کرلے اور یہ فیصلہ کرنے کا اختیار اللہ کریم نے صرف دو باتوں کا ہر فرد و بشر کو دیا ہے زندہ رہنے کا حق ہر انسان کا اپنا ہے اور بغیر اللہ کی اجازت کے کسی دوسرے کو کسی کی جان لینے کا حق نہیں۔ جہاں اللہ کسی کے قتل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ جس انداز سے دیتا ہے اُس کے علاوہ اگر کسی ایک فرد کو ظلماً قتل کیا جائے تو اللہ کریم فرماتا ہے یہ انسانیت کا قتل ہے ایک بندے کا نہیں۔

کَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیعًا۔ یعنی اُس نے انسانیت کو قتل کیا۔ اُس سے مواخذہ انسانیت کے قتل کا ہوگا کیونکہ اُسے زندہ رہنے کا حق اللہ نے دیا تھا۔ وہی چھین سکتا ہے وہ مالک ہے ہم اپنی مرضی سے کسی کو قتل نہیں کر سکتے۔ دوسرا حق مذہب اختیار کرنے کا اُس نے ہر فرد کو دیا۔ اگر وہ زبردستی منوانا چاہتا تو اپنی مرضی سے لوگوں کو پیدا کرتا ہے اپنی مرضی سے لوگوں کو رزق دیتا ہے اپنی مرضی سے ساری خصوصیات دیتا ہے

اپنی مرضی سے بیمار کرتا ہے صحت دیتا ہے جب چاہتا ہے موت دیتا ہے تو خود کو منوانا چاہتا تو اسے کون روکتا اُس نے منوانا زبردستی نہیں چاہا بلکہ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جسے ایک بے نظیر شعور عطا فرمایا۔ یہ وہی شعور ہے جسے اللہ کریم فرماتے ہیں میں نے زمینوں آسمانوں پہاڑوں پر پیش کیا۔ کہ ہے کوئی تم میں جسے میں ایک دیکھنے والی آنکھ ایک بینا نگاہ دے دوں جو میرے جمال کو دیکھ سکے۔

فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا تو انہوں نے کان پکڑ لیے۔

بارِ الٰہ ہم جہاں ہیں ہم ٹھیک ہیں، ہم تیری عظمت کی طرف نگاہ اٹھانے کی جرأت نہیں کرتے۔ وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ انسان نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا مجھے دے دیں میں تیرا جمال دیکھوں گا، تیری شان دیکھوں گا تیرا قرب تلاش کروں گا۔

اب وہ شعور کہ ہر فرد بشر اپنی استعداد کے مطابق اللہ کی ذات اور صفات کو سمجھ سکتا ہے اور اُسے سمجھ کر خود وہ فیصلہ کرتا ہے کہ واقعی اللہ عظیم ہے اور میں اس کا بندہ ہوں اور مجھے اس کے سامنے سر نیاز خم کرنا چاہیئے یہ فیصلہ جب بندہ اپنے اختیار سے کرتا ہے تو اس میں قبولیت کی استعداد آ جاتی ہے پھر اگر اس استعداد کے آنے کے بعد اُسے نبی علیہ السلام کی صحبت نصیب ہو جائے تو بغیر کوئی وقت خرچ ہوئے WITH IN NO TIME وہ اُن عظمتوں، اُن بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے جن پر نبی علیہ السلام کے بعد جسے سب سے عظیم بلندی آپ کہتے ہیں۔ یعنی وہ صحابی بن جاتا ہے۔ صحابی محض ایک اصطلاح نہیں ہے بلکہ صحابی ایک مقام ہے کہ اخلاقیات۔ عقائد، ایمانیات۔ امانت۔ دیانت۔ قربِ الٰہی۔ ورع تقویٰ۔ خشوع وخضوع اِن تمام اوصاف کے کمال میں وہ شخص اُن انتہاؤں کو چھو لیتا ہے جن پر غیر صحابی کبھی نہیں پہنچ سکتا یعنی وہ جو دل میں کیفیات دَر آتی ہیں عظمتِ انسانی کی وہ اُس ایک نگاہ سے اس میں انڈیل دی جاتی ہیں۔

اور آپ دیکھ لیں کہ مکہ مکرمہ میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو چند غریب کمزور ایک ایک کر کے وہ لوگ جو پشت ہا ئے پشت سے لوگوں کے غلام تھے جو آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کا سوچ نہیں سکتے تھے۔ جب انہیں نورِ ایمان نصیب ہوا تو وہ ڈٹ کر کھڑے ہو گئے اور توحید کا نعرہ لگا دیا۔ اور وہی مکے والے جو صدیوں سے اُن کے باپ دادوں سے اُن پر حکومت کرتے چلے آ رہے تھے۔ اُن کے منہ سے وہ نعرہ نہ چھین سکے۔ یعنی وہ جراٴتِ رندانہ اُن میں آ گئی کہ وہ جو ایک معاشرے کے پسے ہوئے لوگ تھے صدیوں سے غلام در غلام اُن کے ماں باپ غلام اُن کے باپ دادے غلام کئی پشتوں سے غلام آ رہے تھے جب اُن میں وہ صحابیت کی چمک آئی وہ جرأت رندانہ آ گئی تو انہوں نے سمجھا کہ ساری عظمت تو اللہ کے لیے ہے۔ ہم کبھی بندے ہیں وہ کبھی بندے ہیں۔ بندے کا بندے سے ڈرنے کا کیا معنیٰ۔ معاملہ تو رب کے ساتھ ہے۔ اگر رب کے ساتھ معاملہ صحیح ہے تو موت آئے گی تو ٹھیک ہے موت تو کبھی آنا ہے۔

آپ دیکھیں جادوگروں کو بلایا فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے مقابلہ ہوا بے شمار لوگ جمع ہوئے۔ جادوگروں کو اللہ نے ایمان کی توفیق دے دی ایک لمبا موضوع ہے ہمارے موضوع سے ہٹ کر اس طرف ہم نہیں جاتے ہم جس پہ بات کر رہے ہیں۔ ہم اپنی بات کو وہاں سے لیتے ہیں۔ جب وہ ایمان لے آئے جس وجہ سے کبھی اللہ نے اُن پر رحم فرمایا وہ ایمان لے آئے تو ہمیں کوئی موقع قرآن حکیم میں نظر نہیں آتا کہ انہیں کسی نے تعلیم دیا ہو کسی نے آخرت کے عقائد کے بارے میں بحث کی ہو۔ انہیں کسی نے سمجھایا ہو کہ مر کر یہ ہوگا۔ یہ کچھ بتایا نہیں گیا۔ وہیں میدان میں انہوں نے اپنی وہ

رسیاں پھینکیں وہ سانپ بن گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عصا پھینکا وہ اژدہا بن گیا۔ تَلْقَفْ مَاصَنَعُوْا جو کچھ انہوں نے بنایا تھا وہ چٹ کر گیا تو سجدے میں گر گئے اور کہنے لگے اٰمَنَّا بِرَبِّ ھٰرُوْنَ وَ مُوْسٰی۔ ہم نے اُس اللہ کو مان لیا جو موسیٰ کا رب ہے جو ہارون علیہ السلام کا رب ہے۔ تو فرعون بگڑ گیا۔ یہی جادوگر اُسی دن فرعون سے گڑ گڑا کر کہہ رہے تھے۔

اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ کُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ۔ اگر جیت گئے تو ہمیں خصوصی انعامات سے نوازیے گا۔ بہت بڑا مقابلہ ہے جو ہم کر رہے ہیں اور فرعون نے اُن سے وعدہ کیا۔ وَ اِنَّکُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ۔

مَیں تمہارے لیے اپنے دربار میں اپنے حضور میں تمہاری کرسیاں لگاؤں گا۔ میرے مقربین میں تمہارا شمار ہوگا۔ وزراء اور میرے قریبی جو سردار بیٹھتے ہیں وہاں تمہاری نشست ہوگی تمہارا ایک شعبہ بنائیں گے۔ یعنی ساری توقعات اُن کی فرعون سے وابستہ ہیں جیسے ایمان لائے تو نبی علیہ السلام کے قلب سے جو ریفلیکشن جو انعکاس اُن کے دلوں پر ہوا فرعون کہنے لگا بھئی مَیں تو تمہیں بہت سخت سزا دوں گا تمہیں سمجھ آجائے گی کہ کس کے پاس اقتدار و اختیار ہے کون طاقتور ہے مَیں تمہارا ایک طرف کا پاؤں دوسری طرف کا ہاتھ کاٹ دوں گا اور مَیں تمہیں کھجور کے تنوں پر پھانسی دوں گا لٹکا دوں گا۔

تو وہ کہنے لگے کوئی حرج نہیں تو ہمیں لٹکا دے کیونکہ ہمارا مقصد دنیا میں زندہ رہنا، دنیا کی دولت اور اقتدار جمع کرنا نہیں ہے بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اُس اللہ ربُّ العالمین کی بارگاہ میں سرخرو ہو جائیں جس کی ہم آج تک نافرمانی کرتے رہے ہیں تو ایک دم سے اُن کی جو ترجیحات تھیں وہ بدل گئیں کہ وہی فرعون ہے وہی اس کی سلطنت، وہی دبدبہ رعب اور دربار اور مال و دولت اور سب کچھ وہی انسان ہے جس کے لیے وہ جان تک دینے کے لیے تیار ہیں۔ اَب اُسے کہہ رہے ہیں میاں تجھے نظر نہیں آرہا لیکن جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ موت آنی ہی آنی ہے اَب آجائے یا اس کے چند لمحے بعد آجائے۔ لیکن تیرا ہمیں موت دے دینا اللہ نے تجھے اختیار دیا ہے اور دنیوی زندگی پر تیرا اختیار مؤثر ہے لیکن تیرا ہمیں مار دینا ہمارے لیے اللہ کی بارگاہ میں سُرخروئی کا سبب بن جائے گا اور یہ مہنگا سودا نہیں ہے ہم اس کے لیے تیار ہیں یعنی جو زندگی کی سہولتوں کے لیے آئے تھے وہ زندگی ہارنے پہ تہہ دل سے تیار ہو گئے اور صبح کے سورج نے جنہیں فرعون کے سامنے گڑ گڑاتے دیکھا تھا شام کے سورج نے انہیں شہید دیکھا۔ وہاں قرآن حکیم نے جو اُن کی باتیں نقل کی ہیں جو انہوں نے فرعون کو جواب دیئے کہ ہمیں اللہ کے حضور جانا ہے زندگی کا حساب دینا ہے جو کچھ آج تک ہم نے کیا ہے اور ہماری زندگی میں عظمت کا جو حصہ ہے جس کی جواب دہی ہوگی یہ تو بہت اچھا ہے کہ ہمارے وہ وجود جو اُس کی نافرمانی کرتے رہے۔ اُن کو تیری تیغیں کاٹ دیں۔ ہمارے ہاتھ پاؤں جو اُس کا گناہ کرتے رہے اُن کو تو تن سے جُدا کر دے اور ہماری گردنوں میں پھندا ہو ہم لٹک رہے ہوں تو شاید ہم اُس کی رحمت اور رضامندی کو پانے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ ساری بات انہیں کس نے تعلیم دی کہ آخرت بھی ہے حساب بھی ہوگا اعمال کی پرسش بھی ہوگی وہ جو انعکاس تھا موسیٰ علیہ السلام کے قلب اطہر سے اُن کے دلوں پر وہ وہ تعلیمات اور معلومات بھی اپنے سامنے لے گیا جو قلب اطہر موسیٰ علیہ السلام میں تھیں۔ اور وہ باتیں جو موسیٰ علیہ السلام ابھی تک نہیں کہہ پائے تھے۔ وہ وہ باتیں بھی وہاں دہرانے لگ گئے وہ ترجمان بن گئے نبوت کے۔ تو نبی علیہ السلام اور دوسرے جو ہوتے ہیں دوسرے

فنون کے ملاپ میں یہ بنیادی فرق ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام صرف تصوری اور الفاظ نہیں بتاتا جو قبول کرے۔ اس کے دل میں کیفیات بھی سمو دیتا ہے۔ انہیں کیفیات کو قرآن حکیم تزکیہ کہتا ہے اور ترجمہ کرنے والے نے تزکیے کا ترجمہ تصوف کر دیا۔

اب ہم کہتے ہیں تصوف کی کیا ضرورت تصوف کو تو چھوڑ دو تصوف کی تو ضرورت نہیں ہے لیکن اُس تزکیے کی ضرورت تو ہے ہر حال میں اور ہر مسلمان کو اس لیے قرآن حکیم نے اُس تزکیے کا ایک نسخہ تجویز کیا۔ اُس تزکیے کا اثر کیا تھا۔ اُس پہ ایک پھل لگتا تھا۔ پھل یہ لگتا تھا کہ جس قلب کا تزکیہ ہو جاتا وہ قلب ہمیشہ اپنے اندر یادِ الٰہی کو تجلیاتِ الٰہی کو انوارات الٰہی کو سمولیتا اور اتنا سمولیتا کہ پھر اُس قلب کی ہر دھڑکن میں اللہ کا نام ہوتا۔ ہر سوچ میں اللہ کی عظمت ہوتی۔ ہر نگاہ میں عظمتِ الٰہی ہوتی۔ ہر جملے میں اللہ کی عظمت کا لحاظ اور پاس ہوتا تو وہ سارا کردار انسانی جو تھا تبدیل ہو جاتا۔ اب آپ دیکھیں جو لوگ مکے میں غلام سہی کمزور سہی لیکن وہ آرام سے دو وقت کھانا تو کھا رہے تھے۔

ایمان لانے کے بعد شعب ابی طالب کے تین سالوں پہ آپ غور کریں۔ صحرا کی اُن وحشتوں کو سورج کی اُن تمازتوں کو بھوک اور افلاس اور پانی کی اُس کمی کو دیکھیں تو وہ لوگ جو ایک لمحہ اہل مکہ کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتے تھے وہ ان سارے شدائد کو کیوں ہنسی خوشی برداشت کر رہے ہیں کہ سیرت میں یہ تک ملتا ہے کہ پُرانے سوکھے چمڑے کو جلا کر اُن کی چھائی بھی پھانکی۔ تو کوئی بات تو تھی جس نے ان کی وہ ترجیحات بدل دیں انہوں نے کہا کہ یہ سب کچھ قابل برداشت ہے۔ لیکن اس کے بدلے اچھی غذا، اچھا پانی، اچھا لباس لے کر اللہ سے اُس تعلق کو چھوڑا نہیں جا سکتا جس کے جرم پہ ہمیں یہ سزا دی جا رہی ہے۔ تو نبی علیہ السلام میں یہ کمال ہوتا ہے کہ وہ ایک کیفیت دل میں انڈیل دیتا ہے اور اُس دل کو اُس بندے کو صحابی کہتے ہیں جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا سے پردہ فرمایا تو سارے کا سارا دین صحابہ کو تعلیم فرمایا۔ صرف تصوری نہیں۔ وہ فیلنگ وہ احساسات بھی اُن کے قلوب میں سمو دیے۔ صحابہ سے صرف تعلیمات اور الفاظ نقل نہیں ہوئے۔ قرآن کے صرف الفاظ نقل نہیں ہوئے۔ حدیث کے صرف الفاظ نہیں بلکہ ہر صحابی کی خدمت میں پہنچنے والا تابعی کہلایا۔ یعنی اُس کے دل کا ایک حال بھی بدل گیا جو صحابی کی خدمت میں نہیں پہنچ سکا۔ بہت اچھا مسلمان بن گیا لیکن وہ تابعی نہیں بن سکا۔ وہ قلبی وہ کیفیت جو صحابی سے مل کر پیدا ہوتی تھی وہ دور رہ کر نہیں ہو سکی۔ یہ انعکاس ہے جس طرح جو خدمتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں پہنچا وہ صحابی نہیں بن سکا۔ بہت اچھا مسلمان، اچھا مجاہد، اچھا غازی، اچھا عالم، اچھا عابد و زاہد تو بن گیا لیکن صحابی نہ بن سکا یہ کوئی ایسا ٹچ سسٹم ہوتا ہے دلوں کا کہ جو دل اُس دل کے سامنے گیا اُس پہ انعکاس ہو گیا جو سامنے نہیں گیا وہ نہیں ہو سکا وہ اچھا مسلمان بنا لیکن صحابی نہیں بنا۔ اسی طرح تابعی نہیں بنا تبع تابعین کا ایک طبقہ ممتاز ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ممتاز ہے تو تبع تابعین کی کوالیفیکیشن یہ ہے کہ اُسے تابعین کے پاس بیٹھنا نصیب ہوا وہ انعکاسی طور پر ان میں وہ کوالٹی وہ کمال اُن کے دلوں میں آ گیا۔

اِس کے بعد علومِ دین مختلف شعبوں میں بٹے۔ حدیث میں تفسیر میں، فقہ میں اور ان میں مختلف لوگوں نے عمریں لگائیں لیکن ایک بات اگر آپ غور فرمائیں گے تو دیکھیں گے کہ وہ کیفیات قلبی سب نے حاصل کیں خواہ وہ فقیہہ تھا، خواہ مُفسّر تھا خواہ مُحدّث تھا چونکہ علوم دین کو اپنی جان کا جزو بنانے کے لیے بنیادی طور پر اُن کیفیات کی ضرورت تھی۔ امام ابو حنیفہؒ ہوں یا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ خواہ کوئی مُفسّر ہو یا مُحدّث سارے کے سارے

آپ کو اُس تزکیے کے حامل ملیں گے۔ آپ انہیں صوفی کہیں یا نہ کہیں لیکن ان کے قلوب کا تزکیہ بنیادی شرط ہے۔ ایک صدی پیشتر اگر آپ نامور علماء کی سوانح کو دیکھیں تو ہر عالم کی سوانح میں آپ کو ایک بات ملے گی کہ فلاں مدرسے یا فلاں کامل استاد سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد فلاں بزرگ کی خدمت میں اتنا عرصہ رہے تو بھئی جب سارے علوم پڑھ لیے اور فارغ ہو گئے اُس میں فاضل قرار پائے تو کسی بزرگ کے پاس بیٹھ کر وقت کیوں ضائع کرتے رہے۔ وقت ضائع نہیں کیا انہوں نے صحبت میں بیٹھ کر انعکاسی طور پر اُن برکات کو حاصل کرنے کی کوشش کی جو انہوں نے اپنے پہلوں سے حاصل کی تھی تاکہ اُن کا علم معلومات اور خبر کے درجے سے نکل کر حال بن جائے۔ چونکہ علم میں اور خبر میں فاصلہ ہوتا ہے۔

سہ علم کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است

یعنی جو علم حق کا راستہ نہ دکھا سکے وہ جہالت ہوتا ہے علم نہیں ہوتا۔ علم میں اور خبر میں ایک فاصلہ ہوتا ہے۔ یہاں ہمارے اخبار والے دوست بھی تشریف رکھتے ہیں تو صحافی دُنیا بھر کی خبریں جمع کرتا ہے۔ ایک دن میں اُس کے پاس روئے زمین کی خبریں آتی ہیں۔ اتنے قتل ہو گئے، اتنے ڈاکے ہو گئے فلاں جگہ شادی ہوئی۔ فلاں جگہ فلاں کی حکومت بدل گئی فلاں اقتدار میں آگیا۔ فلاں ایم۔ پی۔ اے مر گیا۔ فلاں جیت گیا یہ سارا وہ دن بھر لکھتے ہیں اور اس سارے لکھنے کا ان کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اُن کی یہ اخبار صحیح بک جائے گی۔ اس کی ترتیب یا اس کی سُرخیاں ٹھیک ہیں نہ کسی کے مرنے پر اُن کا آنسو بہتا ہے اور نہ کسی کی شادی پر وہ بیٹھ کر مٹھائی بانٹتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ سارا کچھ اُن کے لیے خبر ہوتا ہے وہ خبر کے طور پر اُسے جمع کرتے ہیں۔ خبر کے طور پر آگے کنویے کر دیتے ہیں۔ اُن پر اُس کا کچھ اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اِسی طرح دنیا بھر کے علوم اگر سیکھے جائیں سائنس کا اثر وجود پر عملی زندگی پر انسانی محسوسات پر نہ ہو تو وہ علوم نہیں ہوتے وہ خبریں ہوتی ہیں اور علم آپ اس جملے کو کہتے ہیں کہ ایک جملہ بھی آپ کے پاس پہنچے تو وہ آپ کا حال بن جائے وہ علم ہوتا ہے کسی کے مرنے کی خبر سُن کر چیخ نکل جائے یہ علم ہے۔ کسی کی شادی کی خبر سُن کر دل کھکھلا اُٹھے تو یہ علم ہے۔ کسی بات کی خبر سن کر اُس کو پانے یا کسی خطرے کی خبر سن کر اس سے بچنے کی کوشش کی جائے تو وہ کیفیت دل پر وارد ہو جائے تو یہ علم ہوتا ہے تو معلومات کو جمع کر لینا علم نہیں ہے بلکہ ان کو حال بنانے کے لیے تزکیہ کی ضرورت محسوس کی گئی اور جن لوگوں کو معلومات الگ ملیں بعض تو خوش نصیب ایسے تھے جہاں وہ پڑھنے کے لیے گئے اُسی استاد سے اُنہیں علوم بھی ملے وہیں سے تزکیہ بھی مل گیا۔ لیکن اگر کسی کو یہ دولت یکجا نہیں ملی تو کہیں سے علوم حاصل کر کے فارغ ہوا۔ تو کسی ایسے صاحب دل کے پاس جا کر بیٹھا جہاں سے اُسے تزکیے کی دولت نصیب ہوئی کہ وہ خبر کے درجے سے نکل کر علم حال کے درجے میں اور علم کے درجے میں آگیا۔ تو اَب جبکہ زمانے کی ضروریات نے ہمیں از حد مصروف کر دیا ہے تو اب تو اس تزکیے کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے اب تو سیدھا کام کرے گا ہی وہی جس کے قلب کا کسی نہ کسی حد تک تزکیہ ہو جائے گا۔ ورنہ کوئی سیدھا کر ہی نہیں سکے گا۔ اَب یہ عذر کرنا کہ مصروفیات زیادہ ہیں اور یہ مُور اور (مزید برآں) ہے یہ مُورا وَر DREOVER ہمزہ نہیں ہے۔ یہ بنیاد ہے فاؤنڈیشن ہے اور اِس کی ضرورت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے کہ اس مصروف دنیا میں اور اِس جدید دنیا میں آدمی خُود کو اور اپنے مالک کو بھول نہ جائے بلکہ اپنے کردار کو اپنے مالک کی پسند کے مطابق رکھنے کی استعداد ہو۔ ہر جدید معاشی اور معاشرتی سوچ میں ہر معاشی سہولت میں ہر جدید معاشی انقلاب میں دنیا کی ساری کیفیات اُسے چھُو کر تو گزر جائیں لیکن اُس کے دل پر اگر اثر رہے تو اُنہی کیفیات کا جو اُس کا مالک

چاہتا ہے۔ یعنی اُس کے دل میں یہ چیزیں گھر نہ کر جائیں وہ مرعوب نہ ہو جائے۔

تو جب سے ہمارے دل اِس جذبے سے خالی ہوئے ہیں یہ جذبہ کمزور ہوا ہے تو آپ دیکھ لیں ہم پر نہ تبلیغ کا اثر ہوتا ہے نہ حج سے ہماری عملی زندگی میں کوئی تبدیلی آتی ہے نہ نفلیں پڑھنے سے فرق پڑتا ہے نہ نمازوں سے نہ تسبیحات سے بلکہ ایک شغل کے طور پر ہم سب کچھ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن عملی زندگی میں کتنی عجیب بات ہے کہ ہم بازار جاتے ہیں تو دکان دار حاجی ہو یا چور دونوں سے ہمیں توقع ایک سے سلوک کی ہوتی ہے فاصلہ تو ہونا چاہیئے ایک آدمی پانچ وقت نماز پڑھتا ہے اُس نے حج بھی کر لیا ہے دوسرا نماز بھی نہیں پڑھتا جوا کھیلتا ہے دونوں کی برابر دکانیں ہیں تو جو ہماری محسوسات ہوتی ہیں۔ اُن میں کوئی فرق ہوتا ہے کسی کا اہتمام کرنے کو ہم تیار ہوتے ہیں؟ کیوں نہیں ہوتے کیوں فرق نہیں ہے فرق تو ہونا چاہیئے تھا اس لیے فرق نہیں ہے کہ وہ بھی ایک عادت پوری کرتا ہے۔ تزکیے کے عمل سے وہ حاجی بھی نہیں گزرا۔ دل میں دونوں کے دل میں دنیا بسی ہوئی ہے۔ اُس نے حصول کا ذریعہ چوری کو بنا لیا۔ وہ جرأت مند تھا۔ یہ ذرہ شریف اور کمزور اور نرم مزاج آدمی تھا اُس نے کہا چلو ادھر سے لے لو جدھر عافیت سمجھی وہ اُدھر چل پڑا مقصد دونوں کا دنیا کا حصول بن گیا وہ اُدھر سے لے رہا ہے وہ اِدھر سے لے رہا ہے اُسے ہم بدنام کرتے ہیں اِسے ہم مہذب سمجھتے ہیں۔ لیکن دل میں دونوں کے وہ کیفیات نہ آئیں جو اللہ اور اسلام اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کا دین سمونا چاہتا تھا۔ اس لیے عملی زندگی میں دونوں کا کردار برابر رہا۔ لیکن اگر آپ اُس چور کو بھی تزکیے کے عمل سے آشنا کر سکیں تو وہ چور چور نہیں رہے گا بلکہ بہت سے پارسا لوگوں سے زیادہ بہتر انسان بن جائے گا۔ جب اُس کا اپنا دل

اُس کے باطن کی جو ترجیحات ہیں وہ بدلیں گی جب اُس کے اندر کی جو خواہش ہے وہ بدلے گی۔ آپ دیکھیں۔ جن لوگوں کو اسلام نے بدلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی باہر سے امپورٹ کر کے آدمی دے گئے کوئی نئی مٹی سے بنا کر اللہ نے دیئے؟ وہی قوم وہی لوگ وہی افراد اُس معاشرے کا حصہ جو تھے پوری دنیا کا بدنام ترین معاشرہ تھا۔ وہی لوگ پوری دنیا کے رہنما بن گئے پُوری دنیا میں انہوں نے انصاف اور عدل بانٹا جن کا اپنا دامن ہمیشہ انصاف سے خالی رہا۔ تو تبدیلی وہی ہوئی۔ وہ کیفیات تھیں تزکیے کی جس پر آگے ساری عمارت کی بنیاد پڑی تو آپ تصوّف کے نام کو اگر چھوڑ دیں۔ اصل نام تزکیے ہی کو لے لیں پھر اس کی اہمیّت اور اس کی ضرورت جو ہے وہ بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور اللہ کریم نے اس پر جو پھل لگایا وہ وہی تھا کہ

ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ

اُن کے صرف دل ہی ہی نہیں بلکہ کھال سے لے کر نہاں خانہ دل تک ہر ذرّہ بدن میں اللہ کا نام رچ بس گیا تو یہ گویا اُس تزکیے پر پھل لگا۔ اَب ہر درخت کا ہر پودے کا پھل جو ہوتا ہے وہی اُس کا بیج بنتا ہے۔ اُنہیں نگاہِ نبوت نصیب ہوئی۔ اُس پر ذکرِ دوام کا پھل لگا بعد میں آنے والوں کو بھی اور اُن کو بھی اللہ نے ذکرِ دوام کا حکم دے دیا کہ کاشت کرتے رہو برداشت بھی کرتے رہو تو قرآن حکیم نے ہر ہر سورۃ میں، ہر ہر پارے میں، ہر ہر صفحے پر جہاں کھولو، آپ کو کہیں ذکر کا حکم واضح ملے گا کہیں بالواسطہ حکم ملے گا کہیں ذکر نہ کرنے کے واضح نقصانات ملیں گے۔ عدم ذکر کے نقصانات ملیں گے۔ کہیں براہِ راست کہیں بالواسطہ پورے قرآن حکیم میں یہ بحث ایسے چلتی ہے کہ جب ذکر کی بحث آتی ہے۔ تو انسانیت کو مخاطب کرتا ہے صرف مردوں کو

نہیں۔ بلکہ ایک دفعہ خواتین نے جب عرض کی بارگاہ رسالت میں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی جو آیت آتی ہے مردوں سے بات کرتا ہے۔ قرآن عورتوں سے تو کبھی بات نہیں کرتا تو ہم نے کیا قصور کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن انسانیت کو خطاب کرتا ہے۔ مرد اور عورت انسانیت کا حصہ ہیں۔ انسان ہونے میں تو خاتون اور مرد میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں انسان ہیں تو قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ ھدیً للناس ہے۔ انسانیت کی ہدایت کے لیے ہے تو یہ پوری انسانیت کو خطاب کرتا ہے۔ لیکن اللہ کریم کو اُن کی یہ ادا بھی پسند آئی اور قرآن حکیم نے پورے اعمال کا تجزیہ کر دیا۔ ایمان لانے والے مرد ایمان لانے والی عورتیں نیکی کرنے والے مرد نیکی کرنے والی عورتیں صبر کرنے والے مرد صبر کرنے والی عورتیں نماز ادا کرنے والے مرد نماز ادا کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد، روزے رکھنے والی عورتیں۔ یہ پورے اعمال کو یکے بعد دیگرے گنتے گنتے آخر جس نتیجے پر پہنچا۔

وَالذاکرین اللہ کثیراً وَّ الذاکرات۔ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والی خواتین اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّ اَجْراً عَظِیْماً۔ اُن لوگوں کے لیے اللہ نے بخشش اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کر رکھا ہے۔ ایک ایک عمل کو نماز کو روزے کو نیکی کو ورع تقویٰ دیانت، امانت حیا پاکیزگی سب کو گنا تو سب کا حاصل اور پھل جیسے جڑ ہے، تنا ہے، پتے ہیں، پھول ہیں تو پھر جا کر ساری عبادات کا پھل ذکر الٰہی ہے اور مرد اور خاتون کو اُس نے برابر رکھا کہ دونوں انسان ہیں دونوں کے فرائض جداگانہ سہی ذمہ داریاں الگ سہی لیکن اہمیت دونوں کی اور جواب دہی دونوں کی ایک جیسی ہے۔ ایک ہی بارگاہ میں ایک ہی وقت میں ایک ہی قاعدے کے مطابق اور ایک طرح کے خلوص کو جانچا جائے گا۔

ہوا یہ کہ جس طرح اسلام نے حکومت کا ہمیں بنیادی تصور جو دیا تھا کہ دنیا سے رخصت ہونے والا امیر ایک اپنے بعد اُس آدمی کو امیر بنائے یا بعد والے اُس آدمی کو امیر بنائیں جو اس امارت کی استعداد بھی رکھتا ہو۔ اسلام نے اہلیت و استعداد کو شرط قرار دیا۔ نسل کو رنگ کو نہیں ہم سے بھول یہ ہوئی کہ جب کسی کے قابو اقتدار آیا تو ہم نے اُسے باپ بعد بیٹا، بیٹے کے بعد پوتا اس طرح سے شروع کر دیا۔ اُس میں اچھے بُرے لوگ آتے گئے اور وہ اپنا اپنا رنگ دکھاتے گئے۔ یہی حال ہم نے اِس تزکیے کے عمل میں بھی کیا جہاں کوئی بہت بڑا ایسا انسان تھا واقعی جس کا دل روشن تھا اور ایک مخلوق کے دلوں کو روشن کرتا تھا تو اُس کے بعد ہم نے یہ تکلف نہ کیا کہ اس سے زیادہ روشنی کس بندے نے حاصل کی ہے۔ اُس کو اس کی جگہ ذمہ داری سونپی جائے۔ ہم نے اُس کے بیٹے کے سر پر پگڑی باندھ دی خواہ بیٹا ساری زندگی اُس سے اسلام علیکم کرنے کا بھی روادار نہ رہا ہو اور ساری زندگی کچھ حاصل اُس نے نہ کیا ہو تو جب وہ لوگ رسماً جانشین ہوئے تو انہوں نے کچھ تو کرنا تھا۔ حقائق تھے نہیں۔ وہاں انہوں نے رسومات ایجاد کیں۔ پھر اُس میں ڈھول تماشے آ گئے گانا بجانا آ گیا کھانا پینا آ گیا دیگیں پکانا اور وہ محض رسومات آ گئیں اصل بات جو تھی وہ ہٹ گئی اور اُس کی جگہ بے شمار رسومات آ گئیں۔ رسومات سے واقعی نقصان بھی پہنچا اور جو صاحب نظر اور صاحب علم لوگ تھے انہوں نے اُس پر تنقید بھی کی اور اب وہ بڑھتے بڑھتے اتنی پھیل گئی کہ اب تصوف کا نام ہی ہمیں سارے جرائم کی جڑ نظر آتا ہے حالانکہ ہم کرتے سارا اُسی کے خلاف ہیں۔ یعنی بات عجیب یہ ہے کہ عملاً جو کچھ کیا جاتا ہے وہ اُس سارے تزکیے یا تصوف کی تعلیم کے خلاف کرتے ہیں جس پر وہ غلط نتائج مرتب ہوتے ہیں لیکن اُس کا ذمہ دار ہم تصوف کو قرار دے کر کہتے ہیں اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔

جس کو اپنانا چاہیئے تھا اور اس ساری بدتمیزی سے بچنے کا جو بنیادی سبب تھا اور مسلمان کی حقیقی وصف جو تھا جس سے مسلمان ایک بہتر انسان بنتا تھا مسلمان کیا ہوتا ہے معاشرے سے کٹا ہوا انسان نہیں بلکہ مسلمان ایک بہتر انسان کا نام ہے اور ولی اللہ ایک بہتر مسلمان کا نام ہے۔ ایک عام مسلمان جو ہوتا ہے وہ عام معاشرے سے بہتر انسان ہوتا ہے اُس کے تعلقات اللہ کے ساتھ اُس کے تعلقات اللہ کی مخلوق کے ساتھ خوبصورت ہوتے ہیں اور جسے ولی اللہ کہتے ہیں وہ مسلمانوں میں بھی چُنا ہوا آدمی ہوتا ہے۔ اُس کے تعلقات اللہ کے ساتھ بھی اللہ کی مخلوق کے ساتھ بھی اور زیادہ خوب صورت ہو جاتے ہیں۔ تو یہ ہماری بنیادی ضرورت تھی۔ یہ ہماری بقا کا سبب تھا اور یہی ہماری زندگی تھی۔ یہی ساری ہماری عظمت تھی جس سے ہم کبھی بے گانہ رہ کر مُسلمان کے طور پر اچھے انسان کے طور پر زندہ رہے۔ اس کے بغیر زندہ رہنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ تو اس دور کی اِس ہمہ ہمی میں گہما گہمی میں اس شور شرابے میں اس کی ضرورت اور زیادہ بڑھ گئی ہے اور آپ دیکھ لیجئے گا۔ آپ خود اللہ اللہ کرنا شروع کیجئے ذکر کیجئے اور جو دوست مدت سے نمازیں ادا کرتے ہیں۔ اُنہیں بھی فرق محسوس ہوگا کہ دل ذاکر نہ ہو تو نماز پڑھنے سے کیا کیفیت بنتی ہے اور ذکر نصیب ہو جائے تو وہی سجدہ جو ہے اُس میں کتنی تبدیلی آجاتی ہے۔

میری طرح کے جو خطا کار ہیں اُن کا معیار یہ ہے کہ دن میں اگر دس گناہ کرتا ہوں تو میرا گراف دس کا نو پہ آجائے تو بھی میں نیک ہو گیا سفر تو شروع ہو گیا نا نیکی کی طرف بھلائی کی طرف بہتری کی اُمید۔ ایک بیمار کو اگر ایک سو چار درجے ٹمپریچر ہے تو اس کے لیے ایک سو دو بھی صحت کی دلیل ہے۔ صحت مند کو تو ایک سو دو بخار ہی نظر آئے گا۔ لیکن جو ایک سو چار پہ پچھلے دس سال گزار آیا وہ تو ایک سو دو پہ بھی خود کو صحت مند سمجھنے لگے گا۔ ہر آدمی فوراً وہ فرشتہ تو نہیں بن جاتا انسان انسان رہتا ہے اُس سے خطائیں بھی ہوتی ہیں کوتاہیاں بھی ہوتی ہیں لیکن یہ عمل جو ہے تزکیے کا یہ اُس شعور کو زندہ کر دیتا ہے کہ بندہ خود کو بندہ اور مالک کو مالک سمجھنا شروع کر دیتا ہے اور اُس کے لیے محنت کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ پہلے ہم پکڑ کر خود کو نماز پڑھواتے ہیں پھر نماز پڑھنے کی بھوک سی لگ جاتی ہے کہ یہ میری ضرورت ہے۔ پہلے ہم خود کو پکڑ کر اپنے سے سچ بلواتے ہیں پھر سچ بولنا اپنی ضرورت محسوس ہونے لگتا ہے۔ پہلے ہم خود کو پکڑ کر اپنی ذمہ داری یا ڈیوٹی یا فرائض ادا کرتے ہیں۔ کسی نے دیکھ لیا کام مستعدی سے کر لیا جب کوئی نہیں پوچھنے والا میز پہ پاؤں رکھے جھٹ اونگھ لیا۔ اس طرح سے ہم وقت گزارتے ہیں۔ لیکن دل میں اگر یہ نور آنا شروع ہو جائے تو ذمہ داری کا احساس ہو جاتا ہے کہ وہ دیکھنے والا دیکھ رہا ہے۔ اُس کے سامنے مَیں نے جواب دینا ہے تو زندگی خوبصورتی کی طرف ایک سفر شروع کر دیتی ہے تو اس کی ہمیں نہ صرف ضرورت ہے بلکہ اِس کے بغیر مسلمان کا گزارا میری سمجھ میں نہیں ہوتا میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کے بغیر یہ سارا حُسن جو اسلام ہمیں دیتا ہے۔ اس کو اپنا سکیں گے اور یہ ہمارا تجربہ بھی ہو چکا ہے کہ جب سے دل اِس سے محروم ہوئے ہیں تو ہمارے نام تو دین محمدؐ ہیں لیکن دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو ہم سے اُڑ گئی ہے تو یہ ہماری ایک ضرورت ہے۔ اللہ ہمیں اِس کی توفیق عطا فرمائے اور اِس جدید دنیا میں اس کی ضرورت اور بڑھ گئی ہے۔ اللہ کریم ہمیں اِس کی سمجھ بھی دے توفیق بھی دے اور یہ نعمت ہمیں عطا بھی فرمائے۔

وَآخر دعوٰنا اَنِ الحمد للّٰہ رب العالمین۔

۱ بیان منصارہ کالج لاہور۔ ۲۲ اپریل ۱۹۹۲ء

رائے اپنی

حضرت شیخ المکرم کا سفرنامہ "غبارِ راہ" کے مطالعہ کا موقع ملا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے قلب و ذہن پر جو خوشگوار اثرات مرتب ہوئے اُن کی ہو بہو تصویر کشی ایک مرتبہ پڑھنے سے ممکن نہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے ابتدائی مرحلہ مطالعہ سے ایک سفرنامہ کا گمان ہوتا ہے۔ مگر وہ بتدریج راہ نوردیٔ شوق کا رُوپ دھار کر قاری کو عالمِ روحانیت میں جادہ پیما کر دیتا ہے۔ یہ نہ صرف مقاماتِ مقدسہ اور بیرون وطن عزیز کے رُوحانی مناظر اور دلکش نظاروں سے محظوظ ہونے کا موقعہ فراہم کرتا ہے۔ بلکہ شیخ المکرم حضرت مولانا صاحب کے منفرد ناصحانہ وعظِ حسنہ اور دینِ مبین کے جواہر ریزوں سے جی بھر کر جھولیاں بھر لینے کی دعوت دیتا ہے۔

غبارِ راہ کو اگر حضرت مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کے پاک رُوح پرور معمولاتِ حیات اور آپ بیتی کا مرقع کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ دینِ حقہ میں صالح عمل اور تعمیری افعال ہی مثبت نتائج برآمد کرنے کا موجب بنتے ہیں۔

حضرت مولانا صاحب نے ہر واقعہ اور موجودات کو OPTIMISTIC انداز میں پرکھا اور اس کا تجزیہ کیا ہے۔ مغربی نام نہاد تہذیب یافتہ معاشرہ کا جہاں تذکار فرمایا ہے۔ وہاں اُمتِ مسلمہ کی کوتاہیوں اور اُن تک بغرضِ اصلاح عدم رسائی کے عوامل کی عالمانہ اور ناقدانہ انداز میں نشاندہی کی ہے۔ میرے خیال میں ان وجوہ کو اپنی ذات اور جماعت پر منسوب کر کے دراصل مسلمانانِ عالم کی رگِ حمیت کو چھیڑا ہے۔ اور فرائضِ منصبی کی بطریق احسن سرانجام دہی کی تلقین کی ہے۔

بے راہ رو معاشرتی ڈھانچہ کی جانب شفقت و محبت اور رحمت و موانست کے جذبات حضرت صاحب کی درویش منش برگزیدہ شخصیت کے لیے نیک تمناؤں کا پاکیزہ اظہار ہے۔ اور یہی اوصافِ حمیدہ سرکارِ دوعالم رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اور سُچے پیروکار۔ خادم اور عاشقِ صادق کا شیوہ ہیں۔ غبارِ راہ شیخ المکرم کے تبحرِ علمی عمیق مطالعاتی استعداد کا اظہر من الشمس ثبوت ہے۔ جہاں یہ شیخ المکرم کے روحانیت میں ارفع مقام کا تعین کرتی ہے۔ وہاں اُن کے حضرت العلامؒ کے اہل ترین اور صحیح جانشین ہونے کا بین ثبوت ہے۔ اللہ کرے زورِ بیاں اور زیادہ۔

خواجہ محمد احسن

بی اے (آنرز) ایم اے، ایل ایل بی
ممبر بار کونسل، سابق پریذیڈنٹ گجرات ڈسٹرکٹ بار
ایڈووکیٹ ہائی کورٹ۔
النوید۔ گجرات

آپ کونسی مسجد کے ساتھ ہیں

مولانا محمد اکرم اعوان

ایک امریکن نومسلم ڈاکٹر سہیل پر ہمارے پاکستانی مسلمانوں نے میری موجودگی میں سوال کیا کہ آپ کیوں مسلمان ہوئے۔ کوئی سبب آپ کے اسلام قبول کرنے کا؟ وہ کہنے لگے آپ کا یہ سوال اس امریکی معاشرے میں کوئی زیادہ وزن نہیں رکھتا بلکہ اگر آپ مجھ پر سوال کرنا چاہیں تو آپ یہ کہیں کہ میں ابھی تک مسلمان کیوں ہوں؟ یعنی ہمارا جو امریکی معاشرہ ہے اس میں تبدیلی ایک عادت ہے لوگوں کی۔ مختلف قسم کے لباس، مختلف قسم کے گھر مختلف قسم کے کھانے، مختلف جگہوں میں پھرتے رہنا، مختلف قسم کی نوکریاں کرنا۔ جس طرح لباس بدلتے ہیں یہ لوگ اسی طرح مذہب بھی بدلتے رہتے ہیں۔ کبھی اس طرف، کبھی اس طرف لیکن عجیب بات یہ ہے کہ میں مسلمان ہوا تو پھر میں بدل نہیں سکا مسلمان رہ گیا۔ آپ کو پوچھنا یہ چاہیئے کہ میں ابھی تک مسلمان کیوں ہوں۔

وہ کہنے لگے یہی بنا دو تو انہوں نے کہا اس کا جواب بڑا آسان ہے اس لیے کہ ISLAM IS TRUTH اسلام ایک سچائی ہے اور سچائی کو چھوڑ کر کوئی کہاں جائے گا۔ سچائی کا متبادل دنیا میں کہیں نہیں ملتا کہ آدمی سچائی کو چھوڑ دے اور اس کے متبادل اسے کوئی چیز مل جائے۔ اسلام چونکہ خود ایک حقیقت ہے اس لیے اس کی نگاہ حقائق کو تولتی ہے۔ تصنع اور بناوٹ کی اسلام میں کوئی قیمت نہیں۔ آدمی تصنع کر کے ریاکاری کر کے۔ بناوٹ بنا کر چند روزہ زندگی میں لوگوں کو دھوکا دے سکتا ہے لیکن اسلام کا معاوضہ یا انعام یا اُجرت رب العالمین کی بارگاہ سے ملتا ہے اور وہاں دھوکا نہیں چلتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے زمانے میں منافقین نے ایک کوشش کی۔ ان کی کوشش مسلمانوں کے خلاف تھی لیکن اُسے انہوں نے جو رنگ دیا وہ قومی درد کا تھا۔ آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں۔ اس میں بالکل وہی صورت حال ہے۔ حصولِ اقتدار کے لیے لوگ اسلام کا نام استعمال کرتے ہیں اور اسلام کے نفاذ کی باتیں کرتے ہیں۔ اسلام کو مقصدِ حیات بتاتے ہیں لیکن جب اقتدار مل جاتا ہے تو پورا زور لگاتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسلام نافذ ہو جائے اور ہماری عیش و عشرت میں خلل واقع ہو اور ہم جو موج اڑا رہے ہیں اس سے محروم ہو جائیں۔ اس کے باوجود وہ اس بات کے مدعی بھی رہتے ہیں کہ ہم بڑے اچھے مسلمان ہیں۔ بڑی اچھی آخرت تعمیر کر رہے ہیں ہم نے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی یہی حال اُن لوگوں کا بھی تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تہذیب، اس معاشرت اس طرز زندگی کو اسلام کے حوالے سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ اسلام کیا ہے؟ چند عبادات کا مجموعہ نہیں ہے۔ اسلام ایک تہذیب ہے، اسلام ایک طرز حیات ہے، اسلام تعلقات کا ایک انداز ہے۔

اسلام خرید و فروخت کا ایک طریقہ بھی ہے۔ اسلام سیاست کا ایک انداز ہے۔ اسلام صلح اور جنگ کے اپنے انداز رکھتا ہے۔ پوری انسانی زندگی کے ہر پہلو پر اسلام اپنا حکم نافذ کرتا ہے اور اپنا راستہ بتاتا ہے۔ مذاہب باطلہ میں اور اسلام میں فرق یہی ہے کہ جو غلط مذہب لوگوں کی طرف سے گھڑے جاتے ہیں۔ وہ چند رسومات کا مجموعہ ہوتے ہیں جنہیں عبادت کے نام پر رائج کر دیا جاتا ہے کہ یہ کام کر لو تو مذہب کا حق ادا ہو گیا۔ اس بُت کو سجدہ کر لو تو مذہب کا حق ادا ہو گیا۔ اس درخت کو سجدہ کر دو حق ادا ہو گیا۔ پتھر کو چوم لو مذہب کا حق ادا ہو گیا۔ یہاں دیگیں پکا دو مذہب کا حق ادا ہو گیا۔ یہاں چڑھاوا چڑھا دو۔ اس کے بعد تم فارغ ہو۔ اس کی ضرورت نہیں کہ یہ دولت تم نے کہاں سے لی۔ کہاں خرچ کر رہے ہو، کس کا حق ادا کر رہے ہو؟ کس کا حق مار رہے ہو، کیسے سوتے ہو کب جاگتے ہو۔ ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔ مذاہب باطلہ انسان کی عملی زندگی سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔

اسلام نام ہی عملی زندگی کا ہے۔ اسلام بحث ہی عملی زندگی سے کرتا ہے۔ عبادات کا جو تصور اسلام نے دیا ہے وہ بالکل الگ سے ہے۔ یعنی عبادات کا یہ اجر نہیں ہے کہ آپ نے نماز پڑھی تو آپ کی فصل میں غلہ زیادہ ہو گا یا آپ نے روزے رکھے تو آپ کی تنخواہ بڑھ جائے گی۔ یا آپ نے حج کر لیا تو آپ کو زیادہ اولاد مل جائے گی۔ اسلام میں یہ تصور نہیں ہے۔ بلکہ عبادات کا تصور اسلام میں یہ ہے کہ ہر عبادت آپ کے دل کا رابطہ آپ کے پروردگار سے بڑھائے گی۔ آپ کا تعلق رب کریم سے اور بڑھتا جائے گا۔ آپ کے دل میں وہ قوت آئے گی کہ آپ اسلام پر عمل کر سکیں۔ آپ کو وہ انرجی، وہ پاور، وہ طاقت ملے گی جسے آپ بیٹری کہہ لیں جسے آپ ایندھن کہہ لیں، آپ انرجی کہہ لیں۔ زندگی کی مشین کو چلانے کے لیے جو تیل، جو طاقت، جو بیٹری، جو پاور آپ کو چاہیئے۔ اسلامی راہِ حیات پر چونکہ زندگی اتنی آسان نہیں ہے۔ یہ جو کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ یہ وہ لوگ کہتے ہیں جو کرنا نہیں چاہتے۔ آپ اس بات پر مت رہیئے کہ کچھ لوگ سرِ بازار پیسے لیتے ہیں۔ عیش کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ڈاکے مارتے ہیں لوگوں کو لوٹتے ہیں موج اڑاتے ہیں۔ کچھ لوگ مختلف طرح سے اپنا وقت جو ہے وہ گزارتے ہیں عیش و عشرت میں تو یہ جو لوگ مساجد میں، حجروں میں، عبادت گاہوں میں، بیت اللہ کی راہوں میں، اللہ کی راہ میں، تبلیغ پر، نیکی پر لگے ہوئے ہیں ان کے شاید وہ احساسات نہیں ہیں پیسہ نہیں چاہیئے، انہیں دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں بھوک نہیں لگتی یا انہیں اچھا کپڑا پسند نہیں ہے یا یہ موج نہیں اُڑانا چاہتے۔ ایسی کوئی بات نہیں سارے انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں سب کے احساسات ایک جیسے ہیں سارے ایک سا غلہ کھاتے ہیں۔ ایک ہی آسمان کی چھت کے نیچے جیتے ہیں۔ ایک زمین کا پانی پیتے ہیں۔ ایک سی دھوپ سب کو لگتی ہے ایک سی سردی محسوس کرتے ہیں۔ ایک سی بھوک سب کو لگتی ہے۔ اسی طرح ساری خواہشات سب کی ایک سی ہیں۔ تو پھر کچھ لوگ بے تا با نہ رشوت لیتے ہیں۔ دوڑ کر لیتے ہیں زبردستی لیتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں معاشرے میں جنہیں دی جائے تو بھاگ جاتے ہیں نہیں لیتے۔ فرق کیا ہے؟ فرق کیوں ہے؟ فرق یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دل کا تعلق ربُّ العالمین سے اتنا مضبوط جوڑا ہوتا ہے کہ ان کی خواہشات، مرضیاتِ الٰہی کے تابع ہو جاتی ہیں جو بات اللہ کو پسند نہ ہو، اُسے باوجود خواہش کے وہ ترک کر دیتے ہیں اگر انسانوں سے خواہشات ہی نفی کر دی جائیں تو اُن کا تو کوئی ثواب ہی نہ رہے۔ کوئی اجر ہی نہ رہے۔ ملائکہ عبادت کرتے ہیں۔ ہمیشہ اور ہمیشہ اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔

لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ

وہ کبھی نافرمانی نہیں کرتے اور ہمیشہ اطاعت کرتے ہیں۔
انسان جب گرنے لگتا ہے تو ثُمَّ رَدَدْنٰهُ أَسْفَلَ

مسلمین۔ جانوروں سے چوپاؤں سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ لیکن اگر واپس آتا ہے اور اپنا تعلق اللہ کریم سے قائم کرتا ہے، اور اس کی تلافی مافات کرتا ہے توبہ کرتا ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۔ تو اُن کی عظمتوں اور بلندیوں کو ماپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا کہ اُسے اللہ کن عظمتوں پہ پہنچاتا ہے۔ کن بلندیوں پہ پہنچاتا ہے۔ اس کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا۔ ان عظمتوں سے فرشتے بھی آشنا نہیں جنہیں انسان پا لیتا ہے۔ یہ انسان ہے جس کی قسمت میں اللہ کو رُو برو دیکھنا لکھ دیا گیا۔ فرشتے کے لیے دیدارِ باری نہیں ہے۔ اور آخرت کی سب نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اللہ کریم کی ذات کا، اُس کے رُخِ انور کا، اس کے جمال کا دیدار ہے۔ جو صرف انسان کا حصہ ہے۔ اب اس سودا بازی میں آپ کیسا حلیہ بنائیں۔ بزرگوں جیسا، فقیروں جیسا، دس دس تسبیحاں گلے میں ٹکائیں، بال بڑھالیں، اوپر پیلے رومال باندھ لیں، جب تک معاملہ دل کا رب العالمین کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ اُس حلیے کی کوئی قیمت نہیں ہے اور اگر معاملہ آپ کا اللہ سے صحیح ہے تو اُس کو آپ کی عملی زندگی میں پرکھا جائے گا۔ صرف دعوے سے نہیں۔

ہوا یہ کہ کچھ لوگوں نے مدینہ منورہ کے ایک سرے پر ایک طرف شہر کے مسجد بنائی۔ بڑی خوب صورت، بڑی محنت کر کے، اُس زمانے میں مسجد قبا کے مقابلے میں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم تشریف لے گئے ہوئے تھے جہاد پر۔ واپسی پر انہوں نے دعوت دی کہ آپ جب واپس اِسی راستے سے گزریں تو ازراہِ کرم اِس مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوگانہ ادا فرما کر افتتاح فرما دیجئے۔ یا نماز کا وقت ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں نماز ادا فرمایئے تاکہ اس مسجد کا افتتاح ہو جائے۔ اصل میں وہ لوگ اپنے اقتدار کے بھوکے تھے وہ چاہتے تھے کہ اِس طاقت کو منظم سازش کے ذریعے کمزور کیا جائے جو اسلامی قوت بن رہی ہے اور اس ریاست کو کمزور کیا جائے اور اسلام کے نام پر ان میں تفریق پیدا کر کے ان پر غلبہ حاصل کر کے خود اقتدار حاصل کیا جائے۔ اللہ کریم نے بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کر دی فرمایا کہ ان لوگوں نے

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا۔ انہوں نے ایذا پہنچانے کے لیے تباہی پھیلانے کے لیے اسلام کے خلاف اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے انہوں نے مسجد بنائی ہے۔ ان کا ارادہ اللہ سے تعلق بنانے کا نہیں ہے۔ جن کا تعلق رب کریم سے ہے اُن کا تعلق بھی بگاڑنے کو انہوں نے مسجد بنائی ہے، اور اس مسجد میں یہ چاہتے ہیں۔ کُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ یہ چاہتے ہیں۔ مسجد میں کفر کریں مسجد میں کونسا کفر ہو گا؟ مسجد میں وہ بت تو نہیں پوجیں گے۔ مسجد میں وہ کوئی مورتیاں تو لا کر رکھنے سے رہے۔ چونکہ انہوں نے نام مسجد کا دیا ہے تو کام مسجد والا ہی ہو گا۔ فرمایا۔ تَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ یہ مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنا چاہتے ہیں، تفریق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام کی قوت کو کمزور کرنے کے لیے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ لڑانا چاہتے ہیں۔

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ اور جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کے خلاف کام کرتا ہے۔ اس کے لیے جائے پناہ بنائی ہے انہوں نے۔ انہوں نے مسجد کے نام پر ایک ایسی عمارت بنائی ہے کہ جو کوئی بھی اسلام کے خلاف اللہ کے خلاف، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف، اسلامی ریاست کے خلاف، اسلامی احکام کے خلاف سازشیں کرے، کام کرے وہ یہاں پناہ حاصل کر سکے اور اس کے ساتھ ان کا وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ اِس کے ساتھ قسمیں بھی اُٹھاتے ہیں کہ نہیں ہمارے ارادے تو نیک ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں۔

وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ ہ اللہ اس بات پر

گواہ ہے کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں۔

ہم بے فکر ہو گئے تھے کہ مسجد ضرار وہی ایک تھی۔ لیکن قرآن کسی ایک لمحے کو قید کرنے کے لیے نازل نہیں ہوا۔ قرآن ایک اصولِ حیات ہے۔ قیامت تک کے لیے، ساری انسانیت کے لیے، تو گویا قرآن نے یہ قانون دے دیا کہ جو عمارت کوئی مسجد کے نام پر بھی بنائے لیکن اُسے ذاتی اقتدار اور ذاتی ہوس کے لیے استعمال کرنا چاہے اور اُس میں ایسی باتیں پیدا کرے جو دوسری مسلمان قوتوں کو نقصان پہنچائیں یا اُسے اقتدار بخشیں، جو لوگ مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے والے ہیں انہیں وہاں پناہ ملے اور مسجد کے نام پر چندے کر کے، مسجد کے نام پر دولت جمع کرتے۔ وہ کام کیے جائیں جو خلافِ اسلام ہیں۔ تو وہ اُسی حکم میں چلی جائے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ اُس ایک مسجد کے لیے حکم نہیں آیا کوئی وحی نہیں آئی۔ اُسے ہم یہ الزام نہیں دیں گے۔ لیکن ہمارے الزام دینے یا نہ دینے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اللہ کے حضور تو اُس کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو اُس مسجد والوں سے ہوا۔ وہاں برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں آئیں گی۔ وہاں رحمتِ باری نہیں ہو گی۔ اور ان لوگوں کو اللہ کے حضور ان منافقین کے ساتھ کھڑے ہو کر جواب دینا ہوگا۔ ہم اپنے اردگرد آج کی مساجد کو اگر دیکھیں تو کتنے ادارے ہیں جہاں سے اتفاق واتحاد کی خوشبو آتی ہے۔ کتنا خانقاہی نظام اور کتنی مساجد ہیں جہاں سے اسلام کو تقویت مل رہی ہے؟ میری ناقص رائے میں تو اکثریت اُن مساجد کی ہے جو اسلامی قوت کو تقسیم کرنے پر لگی ہوئی ہیں۔ اکثریت آج بھی اُن عمارتوں کی ہے جن کا نام مسجد ہے اور جہاں سے مسلمانوں کو کافر کہا جاتا ہے۔ غرض حصولِ اقتدار ہوتی ہے یا حصولِ دولت ہوتی ہے یا حصولِ دنیا ہوتی ہے۔ اللہ کریم نے منع کر دیا اپنے پیامبر صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا۔ آپ اس میں کبھی تشریف مت لے جائیے۔ تو یہ قانون بھی طے ہو گیا کہ قیامت تک مسجد کے نام پر عمارت بناؤ۔ لیکن آپ قوتِ اسلامی کو توڑنے کا کام کر رہے ہیں تو وہاں برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہیں آئیں گی۔ قانون دے دیا اللہ کریم نے۔ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا۔ کبھی بھی حالانکہ اللہ کریم کو یہ تو پتہ تھا۔ یہ مسجد تو اُسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا برباد کر دی گئی، جلا دی گئی، ختم کر دی گئی۔ تو اَبَدًا کا لفظ کس لیے آ گیا۔ دوام کا حکم یا دوام کہاں سے آیا؟ کس کے لیے؟ کوئی بھی عمارت اُس کا نام آپ مسجد رکھ دیں لیکن اُس میں کام جو ہو رہا ہے وہ من حیث القوم اسلام کو اور مسلمان کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ اسلامی طاقت کو کمزور کر رہا ہے اور حصولِ دنیا اور حصولِ اقتدار اُس ادارے کو چلانے والوں کا اگر مطمع نظر ہے تو وہاں برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہیں آئیں گی۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی وہاں متوجہ نہیں ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف نہیں لے جائیں گے۔ رسالت آج بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ نبوت آج بھی انہی کی ہے۔ برکات آج بھی انہی کی ہیں۔ یہ ادارے ہمارے کیوں برباد ہو گئے۔ ان سے نکلنے والے اثرات کیوں ناکام ہیں۔ آپ نے کبھی یہ سوچنے کی تکلیف کی، کہ ہر شہر میں کتنے مدرسے اور کتنی مساجد ہیں۔ کتنے لوگ دین پڑھتے ہیں۔ یہ لاکھوں پڑھنے والے لوگ معاشرے کو کتنا دین دے رہے ہیں؟ جتنے لوگ پڑھتے ہیں کیا معاشرے میں اتنی مثبت تبدیلی آ رہی ہے یا دن بدن منفی ہوتے جاتے ہیں۔ حالات معاشرے کے؟ ہر روز طلوع ہونے والا سورج معاشرے کو پہلے سے ابتر حال میں دیکھتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ جب وہ تفسیر پڑھتے ہیں، حدیث پڑھتے ہیں۔ فقہ پڑھتے ہیں۔ سارا دین پڑھتے ہیں تو اُن کے اس پڑھنے سے اُن کی اُس محنت سے اُن کے اس مجاہدے سے دین پھیلتا کیوں نہیں؟ دین بڑھتا کیوں نہیں؟ دین پر عمل کیوں نہیں بڑھتا؟ اس لیے کہ

اُن کے پاس الفاظ ہوتے ہیں۔ اُن میں برکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہوتیں۔ اگر خود دین کو، خود قرآن حکیم کو، خود حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو، خود مسجد الٰہی کو، حصولِ زر کا ذریعہ بنا کر مسلمانوں اور اسلام کی طاقت کو کمزور کیا جائے تو کم از کم اس میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پارٹی نہیں بن سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اُس میں شامل نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات وہاں نہیں آتیں۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات نہیں آتیں وہاں الفاظ رہ جاتے ہیں۔ زور دار اور لچھے دار تقریریں رہ جاتی ہیں۔ خوبصورت جملے اور محاورے کہے جا سکتے ہیں۔ عمل کی تعبیر اور عمل کا پھل اُس پر کبھی نہیں آتا۔ لیکن اس کے مقابلے میں اللہ نے ارشاد فرمایا کہ یہیں مسجد قبا بنی ہے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ ۔

وہ مسجد جو شروع سے ہی قربِ الٰہی کی اہمیت کے احساس پر جس کی بنیاد استوار کی گئی۔ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۔ یہ اس بات کی سزاوار ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس میں تشریف فرما ہوں اور آپ اس میں قیام فرمائیں۔ یعنی مسجد کے عالی شان ہونے کی شرط نہیں ہے۔ بہت زیادہ خوب صورت ہونے کی شرط نہیں ہے۔ اس پر کروڑوں روپے خرچ کرنے کی شرط نہیں۔ شرط یہ ہے کہ اُس کی بنیاد حصولِ قربِ الٰہی پر ہو۔ خلوص اور للّٰہیت ہو اور خلوص کے ساتھ، وہاں اسلام کے لیے اور مسلمان کی بہتری کے لیے کام کیا جائے۔ اللہ فرماتا ہے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یہ مسجد مستحق ہے تیرے کرم کی، تیرے انوارات کی، تیری برکات کی۔ اَحَقُّ اِس کا حق بنتا ہے یہ مستحق ہے فرمایا۔

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا چاہتے ہیں۔ گناہوں کی آلائش سے، اللہ کی نافرمانی سے، غفلت کی ظلمت سے، بدعات کی ظلمت سے، کفر و شرک کے اندھیروں سے، اِن تمام ناپسندیدہ باتوں سے پاک رہنا چاہتے ہیں۔ صاف ستھرے یعنی مسجد کا حاصل کیا ہوا؟ کہ اُس مسجد کے پاس پاک باز ہو جائیں۔ مسجد کا کمال کیا ہے؟ مسجد کا فائدہ کیا ہے؟ اِس سے حاصل کیا ہوگا؟ یہ نہیں کہ اس کے بڑے بڑے مینار ہوں۔ اِس کے خوبصورت حوض ہوں اِس میں بڑے خوب صورت قالین ہوں اِس کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ دے۔ اگر جائز حلال وسائل سے تو مسجد زیادہ خوب صورت ہو لیکن اُس کا حاصل یہ خوبصورتی نہیں ہے۔ اُس کا حاصل انسانی قلوب ہیں جن کی طہارت وہاں ہو۔ انسانی سوچ اور مزاج ہو جو وہاں سے پاک ہو کر نکلے۔ انسانی ضمیر ہے جو وہاں سے صاف ہو کر نکلے۔ انسانی خواہش اور امنگ ہے جو بُرائی کی جگہ نیکی کی تمنا وہاں سے پیدا ہو۔ فرمایا۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ ایسے لوگوں سے تو اللہ بھی محبت کرتے ہیں۔ یعنی مسجد کا حاصل یہ ہے کہ اُس مسجد میں جانے والا اللہ کا محبوب بن جائے۔ طلبِ الٰہی میں جائے تو طالب ہو اور وہ مسجد اُسے اللہ کا مطلوب بنائے۔ محبوب بنا دے۔ فرمایا:

اسلام میں یہ جو زندگی دنیوی ہے اِس کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ اس کے عمل پر نتیجہ مرتب ہوگا اور بس۔ یہ کیسے گزر رہی ہے یہاں کسی کو حکومت مل گئی یا وہ مزدوری کرتا ہے یا کوئی تجارت کرتا ہے یا ملازمت کرتا ہے۔ غریب ہے یا امیر ہے۔ بیمار ہے یا توانا ہے۔ یہ ایک نظامِ قدرت ہے۔ اللہ نے طے کر دیا۔ اُس کے مطابق چل رہا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو کسی نے دعا دی تھی۔ جب وہ حکمران تھے کہ اللہ آپ کی عمر دراز کرے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس بات کا فیصلہ ہو چکا۔ تم اُس کے لیے دعا کرتے ہو۔ اُس بات کے لیے دُعا کرو جس کا فیصلہ میدانِ حشر پر اللہ نے اٹھا دیا ہے۔ یعنی جو فیصلہ ہونے والا ہے۔ اگر دعا دینا چاہتے ہو تو اُس فیصلے کی دعا دو جو فیصلہ ہونا ہے۔ میری زندگی کتنی ہے۔ یہ تو فیصلہ ہو چکا۔ اس میں تم مجھ پر احسان نہ کرو۔ اگر احسان کرنا چاہتے

ہو۔ مجھے یہ دعا دو کہ میری عاقبت بخیر ہو۔ زندگی کا، قد و قامت کا صحت و بیماری کا، گورے اور سفید کا، امیر اور فقیر کا، یہ تو ایک اتنا بڑا پروگرام ہے کہ آپ ایک چھوٹی سی دوکانداری کریں تو اُس کے لیے پہلے طے کرتے ہیں کیا خریدوں گا کیا بیچوں گا۔ کتنے کا لوں گا۔ کیا کرایہ آئے گا۔ کس جگہ بک سکتا ہے۔ کہاں چل سکتا ہے۔ تو جس نے اتنی وسیع کائنات بنائی اور عجیب بات ہے کہ گھاس کے تنکے سے لے کر قطرے کے برسنے تک اتنا COORDINATION ہے اِس نظام میں، ایک دوسرے کے ساتھ ایسا ربط ہے، اِس قدر ہم آہنگی ہے کہ کہیں کوئی ایک تنکا گھاس کا بلا اپنے وقت کے اور بے موقع نہیں پھوٹتا اور کہیں ایک قطرہ بھی بارش کا بے موقع نہیں گرتا۔ کہیں ایک کرن سورج کی بھٹکتی نہیں ہے، بے موقع نہیں جاتی، ایک ایک چیز اُس نظام میں اِس طرح پرو دی گئی ہے کہ گھڑیوں اور سیکنڈوں اور لمحوں کا فرق بھی اگر ایک نظام میں ہوتا تو یہ اب تک دنیا تباہ ہو چکی ہوتی۔ کبھی نہ چل سکتا۔ لیکن عجیب بات ہے۔ قرآنِ حکیم دعوتِ نظارہ دیتا ہے۔ فرماتا ہے نگاہ اٹھا کر دیکھ کبھی آسمان کو کبھی پھٹتے دیکھا تو نے، کبھی اُسے مرمت ہوتے دیکھا، کبھی تجھ سے کسی نے چندہ مانگا کہ سورج کی روشنی گھٹ رہی ہے، بیٹری چارج کروانی ہے، کبھی کسی نے تجھے بلایا کہ تیری مدد چاہیئے۔ بادل بننے سے رک گئے تو اتنا بڑا نظام جس میں کوئی رخنہ، کوئی خرابی، کوئی فرسودگی نہیں آتی۔ اتنی ہم آہنگی پائی جاتی ہے اِس میں۔ تیری زندگی کیا معلق ہے کہ وہ اَب درست ہوگی اور اَب اس میں اضافہ اور کمی ہوگی۔ قد بڑھائے اور گھٹائے جائیں گے۔ نہیں یہ ایک طے شدہ نظام ہے یہ چل رہا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ فقیر ہے تو اُس کا الگ امتحان ہے۔ فقیری ہی اُس کا امتحان ہے۔ سلطان اور امیر ہے تو سلطنت و حکومت ہی اُس کی آزمائش ہے۔ طاقت ور اور پہلوان ہے تو طاقت ہی اُس کے لیے باعثِ امتحان ہے۔ کمزور اور بیمار ہے

تو بیماری ہی اس کی پرکھ ہے جو جس حال میں ہے اُس حال میں اُس کی توقع اپنے رب کے ساتھ کیا ہے۔ اُس کے جذبات اپنے مالک کے لیے کیا ہیں اور اُس کا عمل اپنے اللہ کے حکم کے کس طرح مطابق یا مخالف ہے اور بات ختم۔ صرف یہ دیکھا جا رہا ہے۔ اب جب یہ زندگی ختم ہوتی ہے تو نتیجے صرف دو ہیں یا کامیاب ہو گیا یا ناکام رہ گیا۔ درمیان میں تو کوئی نہ رہا۔ ناکامی سیدھا جہنم میں پھینک دیتی ہے۔ کامیابی قربِ الٰہی عطا کرتی ہے۔ تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یہ جو مکان بنائے جاتے ہیں۔ یہ جو عمل کیا جاتا ہے یہ جو سوچا جاتا ہے۔ یہ جو لائحہ عمل بنایا جاتا ہے۔ یہ جو ہم دکانیں بناتے ہیں یہ جو ہم کاروبار کرتے ہیں یہ جو ہم سیاست کرتے ہیں یہ جو ہم مزدوری کرتے ہیں یہ سارا کیا ہے۔ یہ ہم ایک عمارت کی بنیاد اُٹھاتے ہیں۔ فرمایا اب اگر اُس بنیاد کی

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانٍ۔ اَب اگر اِس سارے عمل کی اُس میں مسجد بنا رہے ہیں مدرسہ بنا رہے ہیں۔ دکانداری کر رہے ہیں، ملازمت کر رہے ہیں۔ حکومت کر رہے ہیں یا مزدوری کر رہے ہیں، ہل چلا رہے ہیں۔ فرمایا یہ سارا جو عمل ہے تیرا اگر اِس کی بنیاد اللہ سے تعلق پر، اللہ کی رضامندی کے حصول پر ہے تو وہ بہتر ہے یا ایسی عمارت بنائی جائے جو جہنم کے کنارے ہو؟

عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ۔
تو جب وہ عمارت گرے تو سیدھا آدمی کو جہنم میں ہی لے جائے اِن دونوں میں کونسی سمت کونسا طریقہ بہتر ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مَیں نے ایک چھوٹا سا جھوٹ بولا مَیں نے غلطی کی۔ لیکن ہم یہ نہیں دیکھتے کہ میرے اس جھوٹ کی بنیاد پہ اللہ کی مخلوق کو کہاں کہاں نقصان پہنچا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایک دن دفتر کا کام نہیں کیا۔ کیا فرق پڑا۔ روز تو کرتے ہیں چلو آج نہیں کیا۔ گپ شپ ہو گئی۔ چلو حاضری لگائی چلے گئے۔ کسی نے نہیں پکڑا

لیکن ہم یہ نہیں سوچتے کہ اللہ کی کتنی مخلوق کے کتنے کام اس میں رک جاتے ہیں۔ کتنی فائلیں چلنے سے کتنے غریبوں کو کچھ ملنا تھا جو رک گیا۔ کتنے قیدیوں کے ساتھ کوئی انصاف ہونا تھا۔ ایک سسٹم ہے عالم انسانیت کا، جسے سیٹ بیک ملتا ہے۔ اللہ تو اپنی ساری مخلوق کو دیکھ رہا ہے۔ صرف تیری ایک غیر حاضری پر کتنا بگاڑ ہوا۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ایک نماز نہیں پڑھی۔ خیر ہے کیا فرق پڑا اللہ کی عبادت کرنے والے اور بہت ہیں۔ لیکن ہم یہ نہیں دیکھتے کہ انسان کا اللہ کی اطاعت کرنا اس نظام کائنات کی تعمیر ہے اور اللہ کے احکام کی ہر نافرمانی تخریب ہے نظام کائنات میں فرمایا:

وَلَا تُفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ۔ روئے زمین کو تباہ مت کرو۔ یعنی گناہ کو اپنے تک محدود مت سمجھو۔ آپ ایک چھوٹا سا حوالہ لیں کہ ہم ہر نماز میں ہر دو رکعت کے بعد التحیات پڑھتے ہیں۔ ہر التحیات میں حاصل عبادت یہ ہوتا ہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ۔ پوری دو رکعت کا حاصل قرب رسالت ہے۔ قرب رسالت سے ملتا کیا ہے؟ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا ہم سب پہ بھی سلامتی ہو۔ یعنی آپ نے سلامتی کی دعا کی۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وہ دعا جو ہمارے منہ سے نکلنے سے پہلے مقبول ہے۔ عنداللہ اور ہر وقت نزول سلامتی کا ہو رہا ہے۔ جس ذات پر اس ذات کریم کے لیے ہمیں اللہ نے سکھایا تم اس دعا میں خود کو شامل کرو۔ کام تو ہو رہا ہے۔ تم کہو ہو رہا ہے۔ تم نہ کہو ہو رہا ہے۔ لیکن تم خود کو اس میں اس لیے شامل کرو، کہ سلامتی ہو۔ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور سلامتی ہو۔ ہم پہ۔ کیسا کریم ہے۔ فرمایا میری شان سے یہ بعید ہے کہ آدھا جملہ مان لوں، آدھا چھوڑ دوں۔ ایک شخص ایک بات میں دو جملے کہتا ہے۔ اللہ کے کرم سے یہ بعید ہے کہ آدھی بات مان لے آدھی رد کر دے آدھی تو مانی گئی وہاں تو سلامتی کا نزول ہو ہی رہا ہے۔ کہہ کر ہم نے روئے زمین کے سارے مسلمانوں کے لیے سلامتی طلب کر لی اور اس پر بس نہیں۔ اللہ نے فرمایا جب لے ہی رہے ہو تو پھر مٹھی بھر کر کیا لینا پھر کہہ دو۔

وَعَلٰی عِبَادِ اللہِ الصّٰلِحِیْن۔ اللہ کے ہر نیک بندے پہ خواہ وہ آدم علیہ السلام کے زمانے میں گزرا ہے یا قیام قیامت تک گزرے گا۔ ہر نیک کو شامل کر لو۔ جب لے ہی رہے ہو تو پھر اس میں محدود کیوں لیتے ہو۔ سب کے لیے لے جاؤ۔ صرف بندے نہیں عباد اللہ الصلحین اس میں سارے فرشتے شامل ہیں۔

تو میں نے دو رکعت چھوڑ دیں۔ میں سمجھتا ہوں میں نے اپنی نماز چھوڑ دی۔ لیکن یہ کتنی مخلوق کو میں نے اللہ کی رحمت سے محروم کیا۔ جو میرے سبب سے میرے اس جملے کے کہنے سے میرے ان دو سجدوں کے کرنے کا حاصل میرے اس رکوع و سجود کا حاصل۔ میرے اس قیام کا حاصل۔ وضو کیا۔ وقت تلاش کیا۔ جگہ پاک تلاش کی۔ لباس پاک کیا۔ قبلہ رو ہوئے۔ اللہ کی حمد بیان کی۔ اللہ کے حضور رکوع کیا۔ سجدے کئے اور حاصل کیا ہوا اور فرمایا: لوٹ لو جھولی بھر کر نہیں، گٹھڑی باندھ کر نہیں، لوٹ لو۔ جہاں کہیں تخلیق سے لے کر قیام قیامت تک میرا نیک بندہ ہے اس سب تک تمہاری وساطت سے میری رحمت پہنچے۔ اپنا نام ان میں شامل کر لو۔ تو جب اتنی رحمت بٹے گی تو کیا اس ساری کائنات میں ایک حصہ بہار کا۔ ایک حصہ زیادہ نہ سہی لیکن ایک آدمی ایک بارش کے قطرے جتنا اثر تو رکھے گا۔ تو اگر میں نے چھوڑ دیا میری اپنی ذات کو تو جانے دو لیکن ان سب کے لیے انہوں نے مطالبہ کر دیا میدان حشر میں کہ اس کے ذریعے جو سلامتی آئی تھی اس سے تو ہم محروم ہی رہے تو کیا میں نے صرف اپنی نماز چھوڑی؟ مسلمان کو تو اسلام اس نظام الٰہی کا ایک حصہ بنا دیتا ہے اور اگر ہم نے چھوڑی تو اس کا مطلب ہے کہ یہ جو محرومی رحمت سے اس کے سبب ہوئی۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ غضب الٰہی۔ تو آپ اپنے ماحول اپنے معاشرے میں

دیکھیں۔ پھر اس کینوس کو وسیع کرتے جائیں۔ اس کے اردگرد دیکھیں پھر اس کو اور وسیع کریں۔ روئے زمین پر دیکھیں جب نمازوں کی بہار آئی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اللہ نے اس زمین پر سجدے دینے کی توفیق دی تھی تو جلتی ہوئی زمین کو انہوں نے شاداب باغ میں تبدیل کر دیا۔ کیا سلامتی بٹتی دیکھی آپ نے؟ تاریخ میں موجود ہے یا نہیں کہ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سلامتی بٹی اور کافروں کو بھی سکون سے جینا نصیب ہوا اور کافر تک بھی انصاف پہنچا۔ یہ تاریخ کا حصہ نہیں ہے جب وہ سینکڑوں اور سینکڑوں سے بڑھ کر ہزاروں تھے اور سب سے بڑی تعداد جو صحابہ کی بتائی گئی ہے وہ تقریباً کم و بیش سوا لاکھ کے قریب ہے صرف سوا لاکھ آدمیوں کی دعاؤں نے پورے روئے زمین کو بہار آشنا کر دیا اور آج دو ارب مسلمان ہے اور دنیا جل رہی ہے۔ رحمت سے محروم ہے۔ شعلے اگل رہی ہے۔ زمین پر شعلے برس رہے ہیں آسمان سے کیوں؟ ہم نے چھوڑ دیا رحمت کو طلب کرنا ہی ۔ ہمارے اعمال کی اصلاح نہیں ہوتی۔ کیوں؟ ہم خلوص سے بات مانگتے ہی نہیں جو چیز چاہیئے۔ وہ ہمیں مطلوب ہی نہیں تو فرمایا یہ تو عمل ہے دنیوی زندگی ختم ہونے والی ہے اور آپ دیکھیں۔ آپ کے عمل کی بنیاد کس پر استوار ہے۔ رضائے الٰہی پر یا حصولِ اقتدار پر یا ہوسِ شہرت پر۔ کس پر؟ فرمایا: گناہ کا اثر یہ ہے کہ جب مطمعِ نظر اپنی ذات یا شہرت یا اقتدار بن جائے تو پھر وہ دل میں رچ بس جاتا ہے۔ یہ سب سے بڑی سزا ہے کیوں کہ وہ،

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ

وہ جو کچھ عمل کرتے ہیں اس کی بنیاد سے ایک خلجان، ایک عدم اطمینان، ایک تذبذب، ان کے دلوں میں گھس جاتا ہے اور پھر تڑپتے تڑپتے عمر بیت جاتی ہے۔ پریشان ہی جاتے ہیں جب تک دل پھٹ نہ جائے، جب تک دل کام چھوڑ نہ دے، جب تک موت نہ آجائے، وہی پریشانی، وہی عدم اطمینان، وہی بے سکونی ان کے دل کا حصہ بن جاتی ہے۔ اللہ ان سب باتوں سے واقف ہے اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ سب کو مہلت دیتا ہے اگر معاملہ اتنا سنجیدہ ہے تو ایمان کس بات کا نام ہے؟

فرمایا: ایمان نام ہے اپنے آپ کو، اپنے مال کو، اپنی ذات کو، اپنی جان کو اللہ کے ہاتھ بیچ دینے کا۔ آپ جب کوئی چیز بیچتے ہیں کپڑا بیچتے ہیں۔ جانور بیچ دیتے ہیں۔ سواری کی موٹر بیچ دیتے ہیں قیمت وصول کرنے کے بعد اس کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق رہ جاتا ہے؟ کہ وہ اسے کب استعمال کرتا ہے، کیسے استعمال کرتا ہے، کیوں استعمال کرتا ہے۔ اس کی مرضی۔ فرمایا: اسلام نام ہے اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ بیچنے کا اور اس سودے کے بعد نہ جان تمہاری ہے نہ مال تمہارا ہے۔ تمہارے پاس اللہ ہی کی امانت ہے جہاں مرنے کی ضرورت ہے وہاں مرتے ہو۔ جہاں مال دینے کی ضرورت ہے وہاں مال دیتے ہو۔ جہاں جہاد کی ضرورت ہے وہاں جہاد کرتے ہو۔ جہاں صبر کا حکم ہے۔ وہاں صبر کرتے ہو۔ پھر تو بن گئی بات۔ پھر تو ہو گئے مسلمان اور اگر بات کی اللہ سے، استعمال کرتے ہو اپنی مرضی سے۔

کہہ دیا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لیکن کام اپنی مرضی سے کرتے ہو تو فرمایا: یہ تو کچھ صحیح نہ ہوا۔ اسلام کیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اللہ نے خرید لیا ایمانداروں سے اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ ان کا مال بھی ان کی جان بھی۔ ان کی جان، ان کی بیوی، ان کے بچے، ان کی اولاد، ان کا گھر، ان کا بار، ان کا کاروبارِ حیات۔ یہ ان کا نہیں ہے یہ اللہ کا ہے۔ اب اسے کیسے چلانا ہے جس کا ہے جیسے وہ کہے۔ کیسے استعمال کرنا ہے جس کا ہے جس طرح وہ کہے۔ ہمارا تو ہے نہیں۔ جس کا ہے جس طرح وہ استعمال کرنے کا حکم دے۔ جو چیز کھانے کی اجازت دے۔ اس کا کھانا درست ہے۔ جس سے روک دے۔ اس کا نہ کھانا درست ہے جس کام کو کرنے کا حکم دے اس کا کرنا

درست ہے جس کو کرنے سے روک دے اُس کا روک دینا درست ہے فرمایا ایمان اور اسلام نام ہے اِس سودے کو نبھانے کا۔ اب ہر آدمی اپنے آپ کو دیکھ لے کہ وہ کہاں تک نبھا رہا ہے۔

فرمایا، ہوتا یہ ہے کہ اللہ کے بندے اِس مال کو اللہ کی امانت سمجھتے ہیں۔ اس جان کو اللہ کی امانت سمجھتے ہیں اور آپ تو کہتے ہیں بے آرامی کی بات کرتے ہو۔ وضو کرکے تکلف ہوتی ہے یا رات کو اٹھنا مشکل ہے یہ بات نہیں۔ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ انہیں جب حکم ملتا ہے جب ضرورت پیش آتی ہے تو اللہ کی راہ میں شمشیر بکف میدانِ عمل میں کھڑے ہوتے ہیں۔

فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ قتل کرتے بھی ہیں جہاں اللہ حکم دیتا ہے قتل کرنے کا۔ قتل ہونا پڑے تو سر کٹاتے بھی ہیں۔ اس لیے کہ اُن کا اپنا کچھ نہیں ہوتا۔

میرے اپنے ناقص خیال کے مطابق آپ حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں تو رسول اللہ صلی اللہ وعلی آلہ وسلم کی دنیوی حیاتِ طیبہ کا دس سالہ مدنی عہد جو ہے اُس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ سکون کا تھا۔ اس سے پہلے بہت تکلیف تھی۔ کفار کا مشرکین کا غلبہ تھا۔ طرح طرح سے ایذائیں دیتے تھے۔ مدینہ منورہ آکر ریاست اسلامی بن گئی اور حکومت اسلامی بن گئی سٹیٹ اسلامی بن گئی اور یہ جو تھا دس سالہ دور یہ اُس تکلیف سے بچ جانے کا تھا جو کافروں کے ساتھ رہ کر تیرہ سالہ مکی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھی۔ لیکن اگر اس دس سالہ پرسکون دور کو دیکھا جائے تو بیاسی یا چوراسی بہر حال اس سے اوپر جتنی روایات ہیں اسی سے زیادہ غزوات وسرایہ ملتے ہیں۔ وہ جنگیں جن میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت کی وہ جنگیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لڑی گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر مقرر فرمائے۔ اِسے سریہ کہتے ہیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قیادت فرمائی اُسے غزوہ کہتے ہیں۔ تو دس سالوں میں چوراسی تو جنگیں ہیں۔ آپ اندازہ کریں ۱۹۶۵ء میں پندرہ دن کی جنگ ہوئی تھی اور ستر ہ دن ۱۹۷۱ء کی۔ اب اکیانوے آگیا ہے۔ ابھی تک چیزوں کے ریٹ اُوپر جارہے ہیں کہ جنگ کے اثرات نہیں سمیٹے جارہے۔ اُس نوزائیدہ سلطنت کو دیکھیں کہ روئے زمین کا کفر جسے تباہ کرنے پہ تلا ہوا ہے۔ یہودیوں کی ریشہ دوانیاں ہیں مشرکین کی ایذائیں ہیں۔ قیصر و کسریٰ جیسے دشمن وہ داؤ پیچ کر رہے ہیں اور دس بنیادی سالوں میں اُن میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم قانون بھی دیتا ہے تعلیم بھی دیتا ہے۔ عبادات بھی سکھاتا ہے۔ عمل بھی سکھاتا ہے۔ سیاسی نظام بھی بناتا ہے عدالتی نظام بھی بناتا ہے۔ پولیس اور فوج کی تعین بھی کرتا ہے۔ اور اُس کے ساتھ چوراسی جنگیں بھی لڑتا ہے اور ریاست دن بدن ترقی پذیر ہے۔

یعنی ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم تو نیکی کر رہے ہیں۔ ہم تو برائی نہیں کر رہے۔ ہم تو جھوٹ نہیں بولتے۔ جو لڑتا ہے بھگتے گا۔ تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ نیکی نہیں کرتے تھے، تو اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ نیکی کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک گوشے میں بیٹھے رہتے نیکی کرتے رہتے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک کیوں شہید ہوئے، برائی تو لوگ کرتے تھے۔ کرتے رہتے۔ یہ تو گوارا نہیں ہے۔ یہ اسلام نہیں ہے۔ اسلام تو نام ہی اس بات کا ہے۔ کہ برائی کو صفحۂ ہستی سے مٹایا جائے اور یہی اُس مالک کا حکم ہے جس کو آپ نے جان دے دی۔ جس کے ساتھ آپ نے سودا کر لیا۔ اَب اُس میں جان جاتی ہے تو جائے۔

آپ اِس کو ایک اور نگاہ سے دیکھیں۔ ہمارے ہاں ایک آدمی پیر بنتا ہے۔ مذہبی پیشوا بن جاتا ہے اُس کی نسلیں عیش کرتی ہیں اور صدیوں تک صاحب زادے پیدا ہوتے ہیں بلکہ اگر دیکھا جائے تو ہمارا ملک ہی صاحبزادوں کے سپرد ہے۔ کوئی سیاست دانوں کے صاحبزادے ہیں۔ کوئی پیروں کے صاحبزادے

ہیں یعنی ملک ہی سارا صاحبزادوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ سیاست بھی صاحب زادوں ہی کی۔ یہ کون ہے؟ یہ بھٹو کی صاحبزادی ہے۔ وہ کون ہے؟ مفتی محمود کا صاحبزادہ ہے۔ یہی کوالیفکیشن ہے۔ دس بارہ خاندان پنجاب کے، دس بارہ سرحد کے، دس بارہ بلوچستان کے، اور دس بارہ سندھ کے لے لیں۔ انہی کی اولاد حکومت کرے گی۔ مارشل لار آئے تو بھی وزیر اور گورنر وہی ہوں گے۔ سول حکومت آئے تو بھی وہی ہوں گے۔ انہی صاحبزادوں کے سپرد ہے پورے ملک کی تقدیر۔ اور ایک پیر بن جائے تو اُس کی نسل میں صاحب زادے پیدا ہونے چلے جاتے ہیں اور صاحب زادے ہمیشہ عیش کرتے ہیں کرنے کو کچھ نہیں کام کے وقت اور عیش کرنے کے اسباب سارے مہیا ہیں لیکن اسلام کو دیکھا جائے تو جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پائی۔ انہوں نے کونسا عیش کر لیا۔ حق یہ تھا کہ اگر صاحبزادوں نے عیش کرنی تھی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے عیش کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں عیش کرتیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چاروں بیٹیوں کے حالات پڑھ لو۔ دنیا کی مشکلات انہوں نے جھیلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں اور نواسیوں کے حالات پڑھ لو تو ساری زندگی اُن کی جدوجہد میں اور ترویج اسلام میں اور ایک ایک کی رگِ جاں کا خون اسلام کی آبیاری میں جل گیا۔ یہ کون سا اسلام ہے جو ہمارے پاس آیا تو ہماری نسلوں کو عیش وعشرت دے گیا؟ کیا ہم نے اسلام کے نام پر کوئی مسجد ضرار تو نہیں بنالی کہ اگر وہی اسلام ہمارے پاس بھی ہوتا تو ہماری رگِ جاں پہ بھی کوئی نشتر چبھتا۔ ہماری راتیں بھی بیداری میں گزرتیں۔ ہمیں بھی اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے سفر کرنے پڑتے۔ ہمیں اللہ کے دین کے لیے کبھی مال قربان کرنا پڑتا، کبھی جان پر تکلیف۔ ہم تو بڑے مزے سے کہتے ہیں۔ میں نے تو تہجد بھی پڑھ لیے، پانچ وقت کی نماز بھی پڑھ لی۔ اگر دنیا میں کوئی بھی نہیں پڑھتا نہ پڑھے

میرا کیا؟ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں سوچی۔ یہ بات صحابہ نے کبھی نہیں سوچی، یہ بات خاندانِ نبوت نے کبھی نہیں سوچی اور یہ بات تب تک کسی مسلمان نے نہیں سوچی تھی، جب تک عالم اسلام کا عروج واقتدار رہا اور جب سے یہ سوچ آئی غلبہ کفر کی طرف چلا گیا اور مسلمان، مسلمان نام رکھوانے والی قوم ذلیل ورسوا ہو گئی۔ اسلام میں رسوائی کا تصور نہیں ہے اسلام کی ایک طے شدہ بات ہے۔

اَلْعِزَّۃُ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ طے شدہ قانون ہے۔ عزت وسربلندی اللہ کا حصہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ہے اور اللہ کے بندوں کا حق ہے۔ مسلمان کبھی رسوا نہیں ہوتا مسلمان کٹ جاتا ہے۔ جھکتا نہیں ہے۔ سوائے اللہ کے اُس کی گردن کسی دربار میں خم نہیں ہوتی۔ وہ دنیوی مصائب کے سامنے کٹ تو سکتا ہے جھکتا نہیں ہے اور جو تیغ مسلمان کو کاٹتی ہے ٹوٹ جاتی ہے۔ اُس کے خون میں بجلی ہوتی ہے۔ عجیب بے قراریاں ہوتی ہے اس کی رگوں میں۔ تاریخ کو اُٹھا کر دیکھ لو۔ جن تلواروں نے اُن مسلمانوں کے گلے کاٹے جو خلوص سے اللہ کی راہ میں نکلے وہ تلواریں کبھی سلامت نہیں رہیں۔ خونِ مسلم میں وہ حدت اور گرمی ہوتی ہے کہ کاٹنے والی تلوار بھی پاش پاش ہو جاتی ہے۔ آج کسی کا کچھ نہیں بگڑتا۔ لاکھوں مسلمانوں کو بیک جنبش قلم بش نے تباہ کر دیا اور اُس کو زکام تک نہیں ہوتا۔ کروڑوں مسلمانوں کو یہودی تہہ تیغ کرتا ہے اُس کو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ لاکھوں مسلمانوں کو ہندوستان میں ذبح کر دیا جاتا ہے اور انہیں چھینک بھی نہیں آتی۔ کیوں؟ خونِ مسلم کی وہ تپش کہاں گئی؟ کہاں گئی وہ گرمی حیات جو دل مسلم میں تھی؟ کیا ہوئیں وہ بجلیاں جو مسلمان کی رگوں میں دوڑا کرتی تھیں؟ اِس کے لیے ہمیں سوچنا ہوگا۔ کہ ہم واقعی مساجد بنا رہے ہیں یا اپنے عیش کدوں کا نام مساجد رکھ رہے ہیں ہم واقعی اللہ کی اطاعت کر رہے ہیں یا اپنے کو مسلمان ظاہر کر رکھا

ہے۔ ہمارے مساجد اُس حصولِ رحمت کی خواہش ہے یا محض لوگوں سے نیک کہلوانے کی خواہش ہے۔ مَیں اپنا محاسبہ کروں آپ اپنا محاسبہ کریں۔ ایک دوسرے پر کوئی طعن و تشنیع کرنا کوئی مزا نہیں دیتا۔ اِس لیے کہ میں نے آپ میں سے کسی کا حساب نہیں لینا اور آپ میں سے کوئی میرا محاسبہ نہیں کرے گا۔ اُس ذات کے پاس مجھے بھی جانا ہے۔ اُسی ذاتِ کریم کے پاس آپ کو بھی جانا ہے۔ کوتاہی کمزوری کمی انسان سے ہر وقت ممکن ہے لیکن حق تو یہ ہے کہ اس کی پوری طاقت تو اطاعتِ الٰہی کے حصول میں صرف ہوتی رہے پھر کمی رہ جائے تو وہ فرماتا ہے معاف کرنا یہ میری شان ہے۔ لیکن اگر ہم اُدھر سے رُخ ہی پھیرلیں قبلہ ہی درست نہ رہے تو میرے بھائی یہ جو بڑے مزے کا ریلکس RELAX اسلام ہے نا یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ یہ اسلام نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر سے خون نکال دیا۔ اسلام نے تو آپ کے خاندان کو مذبح خانے میں لٹا دیا۔ قربانی کی تیغ پہ چڑھا دیا۔ اسلام نے تو صحابہ کرام کو یوں بکھیرا کہ ان کی قبریں چین سے لے کر افریقہ تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ جو مکے میں پیدا ہوئے، جو مدینے میں پلے بڑھے وہاں گنبدِ خضریٰ کے نیچے کیوں دفن نہ ہو گئے کیا تکلیف تھی انہیں وہ افریقہ کے صحراؤں میں اور چین کے ریگزاروں میں جا کر دفن ہو گئے۔ کیسے عجیب لوگ تھے۔

آٹھ دس سال پہلے چین کے ایک صحرا سے، جب اُنہوں نے نئی آبادکاری شروع کی اور مختلف جگہوں کو تقسیم کیا تو وہاں سے کچھ قبریں جن کے اوپر نشان نہیں تھے برآمد ہوئیں لیکن اُن میں اجسام تر و تازہ تھے۔ جس پہ وہ بڑی ریسرچ کرتے رہے۔ بڑا شور کرتے رہے۔ پھر یہودیوں نے اُس میں بڑا ریسرچ کیا کہ یہ فلاں جرنیل تھا اور یہ فلاں تھا۔ یہ بنی اسرائیل سے تھا اور یہ فلاں تھا۔ کہاں تک لے گئے۔ صرف اس بات کو دبانے کے لیے کہ عظمتِ صحابہ کا کوئی قائل نہ ہو۔ لیکن کیسے لوگ تھے اور اسلام نے انہیں کتنی روئے زمین پر پھیلا دیا اور ایک دنیا کو اُنہوں نے پیغامِ حیات دیا۔

اسلام صاحب زادگی کا نام نہیں ہے۔ اسلام جد و جہد حیات کا درس دیتا ہے۔ اسلام ہر آدمی کے عمل کا محاسبہ کرتا ہے۔ ہر آدمی کے عمل پہ کائنات کی اونچ نیچ کی تعمیر کرتا ہے اور ہم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے یا کائنات کو بسانے کا یا اُس کے اجاڑنے کا اب ہمیں اپنے عمل کو اس انداز سے دیکھنا ہوگا کہ میرا یہ عمل تعمیرِ حیات کے لیے ہے یا جو میں کچھ کر رہا ہوں اس پر تخریبِ حیات مرتب ہوتی ہے۔ اللہ کریم یہ سمجھ اور یہ محاسبے کی توفیق دے دیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اپنا حساب اس وقت سے پہلے خود کیا کرو جب تم سے حساب لیا جائے گا۔ کیونکہ آج کا محاسبہ اصلاح کا موقع دے گا جب حساب لیا جائے گا تو دارِ عمل ختم ہو چکا ہوگا اور اصلاح کی گنجائش نہیں ہوگی۔

اللہ کریم ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائیں۔ ہماری ٹوٹی پھوٹی نیکیوں کو قبول فرمائیں اور ہماری عملی زندگی کو اپنے احکام اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادکے تابع فرمادیں اور ہمیں دنیا کو خوش گوار اثرات دینے کا سبب بنائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہِ رب العٰلمین

دُعائے مغفرت

- اپنے ایک ساتھی سردار خان جدہ میں ایک حادثہ میں ۱۷ رمضان المبارک کو انتقال کر گئے۔ اُن کے لیے دُعائے مغفرت فرمادیں۔
- سلسلہ کے ساتھی سید شاہ نثار کی والدہ محترمہ کا ۲۲ فروری ۱۹۹۲ء کو قضائے الٰہی سے انتقال ہو گیا۔ اُن کیلئے دُعائے مغفرت فرمادیں۔

سوچوں کے زاویے

ابوطلحہ

یہ عنوان ہیں نے جناب محمد الیاس۔ میرپور۔ آزاد کشمیر کے خط بنام جناب ارشاد احمد حقانی صاحب روزنامہ جنگ۔ اپریل ۹۲ زیر عنوان "حرف تمنا" کی آخری سطور سے منتخب کیا۔ جس میں سرائیکی علاقوں پر بحث ہے۔

اِس بات سے کہ مسلمانوں کے سوچ کے زاویے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے ضابطۂ حیات کے ماتحت ہونے چاہئیں۔ کسی بھی مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ تو آیئے ذرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اور طرزِ عمل پر ایک نگاہ ڈالیں۔

شعبان ۵ یا ۶ھ کا دن ہے۔ آپؐ غزوۂ بنی المصطلق سے بطو فاتح فارغ ہوتے ہیں۔ یہ جنگ اس قبیلہ کے سردار حارث بن ضرار نے چھیڑی جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہونے کی سعادت بھی پا گئے اور جن کی بیٹی جویریہؓ اُم المومنین کے منصب جلیلہ پر فائز بھی ہوئیں۔

اِس غزوہ میں مسلمانوں کی جماعت کے ہمراہ کچھ منافقین بھی اس طمع کے ساتھ نکلے کہ انہیں بھی مالِ غنیمت میں حصہ ملے گا کیونکہ اپنے نفاق کے باوجود اِس بات کا انہیں پکا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آپؐ کے ساتھ ہے اور آپؐ ہی غالب اور فاتح ہوں گے۔

جس چشمہ یا کنویں پر یہ تصادم ہوا۔ مسلمانوں کا لشکر فتح کے بعد ابھی وہیں جمع تھا کہ ایک مہاجر اور ایک انصاری میں جھگڑا ہو گیا اور دونوں طرف سے تلواریں نکل آئیں۔ مہاجر صحابی نے اپنی طرف سے مہاجرین کو اور انصاری صحابی نے انصار کو مدد کے لیے پکارا۔ دونوں طرف سے کچھ افراد پہنچ گئے اور قریب تھا کہ مسلمانوں میں ایک فتنہ کھڑا ہو جائے کہ آپؐ کو اطلاع ہوئی آپؐ فوراً موقع پر تشریف لائے اور سخت ناراضگی کے ساتھ فرمایا "مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ" (یعنی یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے) کہ وطنی اور نسبی قومیت کو بنیاد بنا کر امداد اور دفاع کا معاملہ ہونے لگا اور فرمایا "دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ" (اِس نعرہ کو چھوڑ دو یہ بدبودار نعرہ ہے)۔ فرمایا کہ ہر مسلمان کو اپنے ہر مسلمان بھائی کی مدد کرنی چاہیئے۔ چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ مظلوم کی مدد کرنا تو ظاہر ہے کہ اُس کو ظلم سے بچائے اور ظالم کی مدد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُسے ظلم سے روک دے کیونکہ اُس کی حقیقی مدد یہی ہے۔ یعنی ہر معاملہ میں دیکھنا یہ چاہیئے کہ مظلوم کون ہے اور ظالم کون۔ پھر ہر مسلمان کا خواہ وہ کسی قبیلہ یا خاندان کا ہو۔ یہ فرض ہوتا ہے کہ مظلوم کو ظلم سے چھڑائے اور ظالم کا ہاتھ روکے خواہ وہ اپنا حقیقی بھائی یا باپ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ نسبی اور وطنی قومیت ایک جاہلانہ اور بدبودار نعرہ ہے جس سے گندگی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنتے ہی جھگڑا ختم ہو گیا۔ مہاجر کی زیادتی ثابت ہوئی۔ انصاری کو جو زخم آیا تھا اُس نے

قصاص کی بجائے اپنا حق معاف کر دیا اور جھگڑنے والے ظالم اور مظلوم پھر بھائی بھائی بن گئے۔ منافقین جو مالِ غنیمت کے طمع سے ساتھ آئے تھے اُن کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا۔ آپؐ اور مسلمانوں سے دشمنی رکھتا تھا۔ مگر دنیوی فوائد کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا اُس کو جب مہاجرین اور انصار کے باہم تصادم کی خبر ملی تو اُس نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کا موقعہ غنیمت پایا اور اپنی مجلس میں جس میں منافقین جمع تھے اور مومنین میں سے صرف حضرت زید بن ارقمؓ موجود تھے ..... اُس نے انصار کو مہاجرین کے خلاف بھڑکایا اور کہنے لگا کہ تم نے انہیں اپنے وطن بلوا کر اپنے سروں پر مسلط کیا۔ اپنے اموال و جائداد اُن کو تقسیم کر کے دے دیئے۔ یہ تمہاری روٹیوں پر پلے ہوئے اب تمہارے ہی مقابلہ پر آگئے ہیں۔ اگر تم نے اب بھی اپنے انجام کو نہ سمجھا تو آگے چل کر یہ تمہارا جینا مشکل کر دیں گے۔ اس لیے تمہیں چاہیئے کہ آئندہ مال سے اُن کی مدد نہ کرو تو یہ خود ہی منتشر ہو جائیں گے اور اب تمہیں چاہیئے کہ جب مدینہ واپس پہنچ جاؤ تو تم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کرے۔ اس کی مراد عزت والے سے خود اپنی جماعت اور انصار تھے اور ذلیل سے مراد معاذ اللہ آپؐ اور مہاجرین صحابہ تھے۔ زید بن ارقمؓ فوراً بول اُٹھے کہ واللہ تو ہی ذلیل اور مبغوض ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے دی ہوئی عزت اور مسلمانوں کی دلی محبت سے کامیاب ہیں۔ عبداللہ بن اُبی نے اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کے لیے حضرت زیدؓ سے عذر کیا کہ مَیں نے یہ بات مذاق میں کہہ دی تھی۔ میرا مطلب آپؐ کے خلاف کچھ کرنا نہیں تھا۔

حضرت زیدؓ اس مجلس سے اُٹھ کر سیدھے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ آپؐ پر یہ خبر بہت شاق گزری۔ چہرۂ اقدس پر تغیر کے آثار نظر آنے لگے (زیدؓ کم عمر صحابی تھے) آپؐ نے اُن سے کہا کہ لڑکے تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو۔ زیدؓ نے قسم کھا کر کہا کہ نہیں مَیں نے اپنے کانوں سے اُس کے یہ کلمات سُنے ہیں آپؐ نے پھر فرمایا کہ تمہیں کچھ شبہ تو نہیں ہوگیا۔ زیدؓ نے پھر وہی جواب دیا۔ ابنِ اُبی کی یہ بات مسلمانوں کے پورے لشکر میں پھیل گئی اُدھر انصار حضرات زیدؓ کو ملامت کرنے لگے کہ تم نے قوم کے سردار پر تہمت لگائی اور قطع رحمی کی۔ زید بن ارقمؓ نے قسم کھائی کہ انہیں قبیلہ خزرج کے سردار کا پورا احترام ہے۔ لیکن جب اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ کلمات کہے جو اُن سے برداشت نہ ہو سکا۔ اگر میرا باپ بھی ایسی بات کہتا تو میں ضرور اُسے آپ تک پہنچاتا دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اے عمرؓ کیا ہوگا کہ لوگوں میں یہ شہرت ہوگی کہ مَیں اپنے اصحاب کو قتل کر دیتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کلام کی خبر حضرت عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے کو پہنچی جو پکے مسلمان تھے۔ یہ فوراً آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپؐ کا ارادہ میرے باپ کو اس گفتگو کے نتیجے میں قتل کرنے کا ہے تو آپ مجھے حکم دیجئے مَیں اپنے باپ کا سر کاٹ کر آپؐ کی خدمت میں اس سے پہلے کہ آپؐ اپنی مجلس سے اُٹھیں پیش کر دوں اور عرض کیا کہ پورا قبیلہ خزرج اس کا گواہ ہے کہ اُن میں کوئی بھی مجھ سے زیادہ اپنے والدین کی خدمت اور اطاعت کرنے والا نہیں ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اُن کی کبھی کوئی چیز برداشت نہیں ہو سکتی اور مجھے خطرہ ہے کہ اگر آپؐ نے کسی اور کو میرے باپ کے قتل کا حکم دیا تو ایسا نہ ہو کہ جب میں اپنے باپ کے قاتل کو چلتا پھرتا دیکھوں تو مجھ پر غیرت نسبی غالب آجائے اور میں اُسے قتل کر بیٹھوں جو میرے لیے سببِ عذاب بن جائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہ میرا ارادہ اُس کے قتل کا ہے نہ مَیں نے کسی کو اس کا حکم دیا ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافِ عادت بے وقت سفر کرنے کا اعلان عام فرما دیا اور خود ناقہ قصویٰ پر سوار ہوگئے

صحابہؓ کی روانگی کے بعد آپؐ نے ابنِ اُبی کو بلایا اور دریافت کیا کہ تم نے ایسا کہا ہے یہ قسمیں کھاگیا کہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا۔ اور یہ لڑکا جھوٹا ہے۔ عبداللہ بن اُبی کی اپنی قوم میں عزت تھی سب کا خیال ہوا کہ زیدؓ کو کچھ مغالطہ لگ گیا ہے ابنِ اُبی نے ایسا نہیں کہا۔ بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابنِ ابی کی قسم اور عذر کو قبول کرلیا اور لوگوں میں زیدؓ پر غصہ اور اُن کی ملامت اور تیز ہوگئی۔ یہ اُس رسوائی کے سبب لوگوں سے چھپے رہنے لگے۔

آپؐ نے پورے لشکرِ اسلام کے ساتھ پورے دن پھر پوری رات سفر کیا اور اگلے روز جب دھوپ تیز ہونے لگی تو آپؐ نے قافلہ کو ٹھہرنے کا حکم دیا۔ مسلسل سفر سے تھکے ہوئے صحابہ کرامؓ منزل پر اُترتے ہی سو گئے۔ آپؐ کا خلافِ عادت فوراً بے وقت سفر شروع کرنے اور اِسے طول دینے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی سفر میں مشغولیت سے ابنِ اُبی کے واقعہ کا چرچا ختم ہو جائے۔

ایک طرف حضرت عبادہ بن صامتؓ کا ابنِ اُبی کو مشورہ کہ وہ آپؐ سے معافی مانگ لے اور اُس کا اعراض اور دوسری طرف حضرت زیدؓ کا اضطرار اور نزولِ قرآن کا یقین کہ اچانک حضرت زید بن ارقمؓ نے دیکھا کہ آپؐ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو وحی کے وقت ہوتی تھی کہ سانس پھولنے لگا اور پیشانی مبارک پر پسینہ بہنے لگا اور آپؐ کی سواری بوجھ سے دبنے لگی۔ جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو آپؐ نے حضرت زیدؓ کو مخاطب کرکے فرمایا: "یَا غُلَامُ صَدَّقَ اللّٰهُ حَدِیْثَكَ وَنَزَلَتْ سُوْرَةُ الْمُنَافِقِیْنَ فِیْ اِبْنِ اُبَیٍّ مِنْ اَوَّلِهَا اِلٰی اٰخِرِهَا" (یعنی اے لڑکے اللہ نے تیری بات کی تصدیق کردی اور پوری سورۃ المنافقون اسی واقعہ ابنِ اُبی کے متعلق نازل فرمائی) جب آپؐ کا لشکر مدینہ کے قریب وادی عقیق میں پہنچا تو حضرت عبداللہؓ نے اپنے باپ کو تلاش کرکے اُس کی اونٹنی کو بٹھا دیا اور اُس کے گھٹنے پر پاؤں رکھ کر اپنے باپ ابنِ اُبی سے یوں مخاطب ہوا۔ "خدا کی قسم تم مدینہ میں داخل نہ ہو سکو گے جب تک آپؐ تمہیں اجازت نہ دیں اور جب تک تم یہ بات واضح نہ کردو کہ تم نے جو بات کہی ہے کہ عزت والا ذلت والے کو نکال دے گا۔ اِس میں عزت والا کون ہے۔ آپؐ یا تم۔ حتیٰ کہ آپؐ کی سواری وہاں سے گزری اور آپؐ نے دیکھا کہ ابنِ اُبی بیٹے سے مجبور ہو کر یہ کہہ رہا ہے کہ میں تو بچوں اور عورتوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں۔ آپؐ نے یہ سُن کر حضرت عبداللہؓ سے فرمایا کہ ان کا راستہ چھوڑ دو اور مدینہ میں جانے دو۔

اس غزوہ میں پیش آنے والا یہ واقعہ جاہلیت کا وہ بت تھا جسے آپؐ نے توڑ دیا تھا اور مسلمان کہیں کا رہنے والا ہو، کسی رنگ و زبان اور کسی نسل اور قوم کا ہو سب کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ مگر شیطان کا یہ پرانا جال ہے۔ جس میں لوگوں کو اُلجھا کر باہمی جھگڑوں کے وقت قوم، وطن، زبان و رنگ وغیرہ کو تعاون اور تناصر کی بنیاد بنا دیتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسلامی معیارِ حق و انصاف سب کے ذہنوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ صرف برادری۔ قومیت اور علاقہ کی بنیاد پر ایک دوسرے کی مدد کرنے کا اصول بن جاتا ہے اور مسلمان ایک دوسرے سے بھڑ جاتا ہے۔ اِسی فتنہ کو آپؐ نے ختم فرمایا کہ یہ جاہلیت کا بدبودار نعرہ ہے۔ اس سے بچو اور قرآنی اصولِ تعاون پر قائم کردیا۔ جس میں ارشاد ہے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ یعنی ہر نیکی کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اگرچہ وہ نسب و خاندان اور زبان و وطن میں تم سے الگ ہو اور گناہ اور زیادتی پر ہرگز مدد نہ کرو۔ اگرچہ وہ تمہارا باپ اور بھائی ہی ہو۔ آپؐ نے ہر قدم پر اِس کی رعایت فرمائی اور سب کو اِس کے تابع رہنے کی تلقین فرمائی اور اپنے آخری خطبہ حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا کہ جاہلیت کی سب رسمیں میرے قدموں کے نیچے مسل دی گئی ہیں۔ اب عربی، عجمی، کالے، گورے، ملکی غیر ملکی کے امتیازات کے بُت ٹوٹ چکے ہیں۔

سب کو اسلامی اصولوں پر چلنا ہوگا۔

دشمنانِ اسلام نے آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرنے کے لیے یہی برادری اور وطنی قومیت کا حربہ استعمال کیا ہے جب اور جس وقت موقع ملا اسی سے کام لے کر مسلمانوں میں تفرقہ ڈالا۔ پنجابی، بنگالی، سندھی، پٹھان، بلوچی کے بُت اِسی سازش کی کڑیاں ہیں۔ مٹھی بھر سازشی ذہنوں نے بنگلہ قومیت کا نعرہ لگا کر پوری قوم کو جن ذلتوں سے دوچار کیا ہے اُسے میں نے اپنی آنکھوں سے ۱۸ برس بعد وہاں جاکر دیکھا۔ دشمن سندھ میں پھر وہی حربہ آزما رہا ہے اور ہم ہیں کہ مزید بُت اپنے سامنے کھڑے کرکے اپنی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں کاش آج بھی ہم بحیثیت مسلمان قوم جس کی بنیاد پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ رنگ و نسل اور زبان و وطن کے بتوں کو پھر ایک دفعہ توڑ دیں اور آپؐ کی ہدایات کو سینے سے لگا کر عمل صالح کی طرف متوجہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور امداد کا مشاہدہ کھلی آنکھوں سے ہونے لگے۔ تائید باری ہمیشہ اللہ سے حیا کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے جس کے بغیر کوئی کام پایۂ تکمیل پر نہیں پہنچ سکتا اور کسی کی دادرسی ہو سکتی ہے۔

اے برادرانِ اسلام! آؤ ذرا اُمتی کی نسبت کو سامنے رکھ کر ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ کیا پسماندگیوں اور محرومیوں کو بنیاد بنا کر ہم اللہ اور اُس کے رسولؐ کے دیئے ہوئے ضابطۂ حیات سے بغاوت تو نہیں کر رہے۔ کیا پسماندہ علاقے اور محروم لوگ اللہ کی نظر سے اُوجھل ہیں۔ کیا اغنیا کی زیادتیاں اُس سے پوشیدہ ہیں۔ کیا تنگی اور فراخئ رزق اُس کے دستِ قدرت میں نہیں ہے۔ کیا یہ فانی نعمتیں اور چند روزہ عیش و عشرت اس قابل ہیں کہ ان کو مقصود بنا کر ہم باہمی نفرتوں کے سوداگر بن کر اُمت کو پاش پاش کرنے میں لگ جائیں۔ جب کہ اُمت بنانے والے نے ہمیں محبتوں کے درس دیئے ہیں اور ہم سب کا خالق تو یہ فرماتا ہے: "اے لوگو۔ میں نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور کنبے اِس لیے بنائے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تو عزت والا صرف وُہ ہے جو اُس کے دیئے ہوئے ضابطۂ حیات کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔"

یہ چند روزہ راحت کا سامان اگر ہاتھ نہ آیا تو کوئی صدمے کی بات نہیں۔ یہ ایسا خسارہ نہیں جس کی تلافی نہ ہو سکے۔ جب کہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ابدالآباد کی محرومیوں کا سبب یقیناً بن سکتی ہے۔ اکبر مرحوم نے خوب کہا:

یہ کہاں کا فسانہ ہے سُود و زیاں جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا
کہو ذہن سے فرصتِ عُمر ہے کم جو دلا تو خُدا ہی کی یاد دلا

ضرورت سیلزمین

اسلام آباد میں دُکان کے لیے ایک سیلزمین جو کہ کم از کم میٹرک پاس ہو، کی ضرورت ہے۔ سلسلہ کا ساتھی ہونا ضروری ہے۔

معقول تنخواہ، رہائش اور کھانا وغیرہ مفت

مزید تفصیلات کے لیے رابطہ:

اختر سعید گل
پبلک ہیلتھ ڈویژن (PHD)
قومی ادارۂ صحت (NIH)
اسلام آباد

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

جہاد

ربِ جلیل نے ایک قانون ارشاد فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَہَاجَرُوۡا وَجٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ وَاَنۡفُسِہِمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَالَّذِیۡنَ اٰوَوۡا وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰٓئِکَ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا ہجرت کی اپنا معاشرہ، ماحول، عزیز، گھر، دولت سب کچھ اللہ کی راہ میں چھوڑا۔ پھر جو کچھ پاس تھا جان مال اُس سے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ جنہوں نے اپنا دامنِ دل وا کر دیا اُن لوگوں کو اپنے ساتھ جگہ دی ساتھ رکھا اور اُن کی مدد کی اُن کے ساتھ شامل ہو کر جہاد کیے۔ یہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے ساتھ دوستی کی مستحق ہیں اور حقیقی دوست ہیں ایک دوسرے کے۔

لیکن اگر کسی نے ایمان تو قبول کر لیا اور آپ جانتے ہیں کہ مکی زندگی میں صرف ایمان قبول کر لینا ہی موت کو دعوت دینا تھا۔ آسان نہیں تھا۔ اس کے باوجود ہجرت کا حکم آنے پر جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ یعنی اُس کا معاشرہ اُس کا ماحول اُس کے اعزّہ و اقارب، اُس کی ضرورتیں اُس کے پاؤں کی زنجیر بن گئیں۔ کر سکتا تھا ہجرت لیکن اُس نے نہیں کی بعض مجبوریوں کی وجہ سے اللہ کریم فرماتے ہیں۔

مَا لَکُمۡ مِّنۡ وَّلَایَتِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ۔ تمہارا اُس کے ساتھ کوئی دوستانہ نہیں ہے کوئی سروکار نہیں ہے تمہارا اُس کے ساتھ اُس وقت تک جب تک وہ واقعی ہجرت کر نہیں لیتا۔ حَتّٰی یُہَاجِرُوۡا ۚ یہ جن لوگوں کی بات ہو رہی ہے یہ عام لوگ نہیں تھے۔ یہ صحابہ کبار تھے اور پہلے پہلے اسلام لانے والے لوگوں میں سے تھے۔ اور پوری دُنیائے کفر و شرک کا مقابلہ کرنے والے لوگ تھے۔ لیکن اگر اُن میں سے بھی کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سوائے مجبوری کے ہجرت میں پیچھے رہ جانے کی کوشش کی ہو جو رہ گئے وہ کسی مجبوری کی بنا پر یا کمزوری کی وجہ سے۔ اِس کے باوجود قانون تو اپنی جگہ ہوتا ہے۔ فرمایا: اگر کوئی اِن پہلے ایمان لانے والے اور اِن بہت بلند مرتبہ صحابہ کبار میں سے بھی اپنی دنیوی مصلحتوں کی وجہ سے ہجرت نہ کرے تو مہاجرین کی اُس کے ساتھ کوئی دوستی نہیں۔ وہ اُس کی پرواہ نہ کریں کہ وہ کس حال میں ہے اُس کی مدد کی اُمید نہ رکھیں اُس کا انتظار نہ کریں وہ مرتا ہے یا جیتا ہے اُس پہ کیا بیت جائے گی۔ اُس کی کوئی ضرورت نہیں اُس کے ساتھ تمہارا کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کرے ......

...... اگر مسلمان مہاجرین سے مدد کے طالب ہوں کہ ہمیں ہجرت کرنے کے لیے مدد دی جائے ورنہ ہم مجبور ہیں فَعَلَیۡکُمُ النَّصۡرُ۔ پھر تم اُن کی مدد کرو اُس دینی کام کی تکمیل کے لیے اگر وہ مدد مانگیں تو کرو۔ لیکن اگر وہ کرنا نہیں چاہتے تو پھر اُن کی مت پرواہ کرو۔ سوائے اِس کے کہ کسی قبیلے کے ساتھ تمہارا معاہدہ صُلح ہو جائے تو کسی بھی مجبوری پر کیے ہوئے عہد کو مت توڑو۔ ہاں اگر وہ توڑ دے تو الگ بات ہے۔

اس لیے کہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ کریم دیکھتا ہے۔
وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط
اور کافر جتنے بھی ہیں خواہ وہ عرب کے ہیں یا عجم کے وہ مدینے کے ہیں یا مکہ کے وہ یہودی ہیں یا نصاریٰ یا مشرک کافر۔ دُنیا کے کسی حصے کے بھی ہیں۔ کافر کافروں کے دوست ہیں۔ اب یہ جو قانون ارشاد فرمایا گیا۔

بڑی عجیب بات ہے اور بظاہر نظر آتا ہے بڑی سختی برتی گئی اسلام میں اور اتنی سختی نہیں ہونی چاہیئے تھی کہ اس دُنیائے کفر میں اگر کسی نے اعلان کر ہی دیا اپنے مسلمان ہونے کا تو ہجرت نہ بھی کرے تو خیر ہے کم از کم ایک کافر معاشرے میں مسلمان تو ہے۔ نماز پنجگانہ ادا کرتا ہے۔ آخرت پر ایمان رکھتا ہے سارے ارکانِ اسلام ادا کرتا ہے صرف ہجرت میں شامل نہیں ہو سکا یا جہاد میں حصہ نہیں لے سکا تو اس پر اُسے پورے مسلمان معاشرے سے کاٹ دینا یہ تو بڑی سخت بات ہے بظاہر اُسے اسلام سے نہیں نکالا گیا اُسے موقع دیا گیا کہ وہ ہجرت کرے یہ اجازت بھی دی گئی کہ ہجرت کے معاملے میں اگر وہ مسلمانوں سے مدد کا طلب گار ہو کوئی مجبوری ہے یہ درست ہے لیکن اس کے علاوہ اُس سے تعلق نہ رکھا جائے اس کی وجہ بتائی فرمایا اِلاَّ تَفْعَلُوْہُ۔ اگر تم لوگ ایسا نہیں کرو گے اگر تم لوگ اسلام کے لیے ہجرت جہاد کی اہمیت کو اس درجے نہیں سمجھو گے۔ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ۔ تو رُوئے زمین پر فتنہ پھیل جائے گا اور بہت بڑی تباہی ہو گی۔

ایک بات خوب غور سے سمجھ لیجیئے کہ دُنیا جب سے آباد کی ہے رب العلمین نے۔ اصلاح کا کام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے سپرد فرمایا جب بھی کوئی خرابی بڑھی اللہ نے نبی علیہ السّلام بھیج دیے اور لوگوں کو ظلم سے روکنے اور ظلم کی سزا دینے کا کام دستِ قدرت کے سپرد کر دیا۔ جب قوموں نے انبیاء علیہم السّلام کی بات نہ مانی اور ظلم میں آگے بڑھتے رہے تو دستِ قدرت نے اُنہیں پکڑ کر نچوڑ دیا تباہ کر دیا برباد کر دیا۔ یہ قانون نزولِ آدم علیہ السّلام سے لے کر بعثتِ محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک رہا۔ مخلوق گمراہ ہوتی رہی تو اُن کی ہدایت کے لیے نیا نبی نیا رسول علیہ السّلام مبعوث ہو جاتا تھا اور رسول علیہ السّلام کی مخالفت میں مخلوق حد سے بڑھتی تو عذاب آجاتا تھا آسمان سے، زمین پھٹ جاتی تھی، کہیں ابابیل آجاتے تھے کہیں آسمان سے پتھر برستے تھے کہیں بادلوں سے آگ برستی تھی کہیں دریا غرق کر لیتا تھا قوموں کو تو اِس طرح سے اُنہیں اُن کے کیے کی سزا مل جاتی۔

جب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو اس خیر امت کو جنہیں فرمایا کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ اب لوگوں کو سنبھالنا یہ تمہاری ذمہ داری ہے نہ کوئی نیا نبی علیہ السّلام مبعوث ہو گا۔ ہر جگہ جہاں بھی گمراہی ہے اور جتنی بھی ہے وہاں ہدایت کی بات پہنچانا یہ تمہاری ذمہ داری ہے کوئی نیا نبی علیہ السّلام مبعوث نہیں ہو گا۔ تمہیں خیرامت اور بہترین اُمت اِس لیے قرار دیا گیا ہے کہ تم لوگوں کے لیے جیو گے دوسروں کے لیے زندگی بسر کرو گے۔ انسانیت کے مفاد کے لیے تم مشقتیں اور تکلیفیں جھیلو گے۔ اور جہاں جہاں باطل ہے وہاں حق پہنچانا یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ دُنیا کے کسی گوشے میں کوئی نبی کوئی رسول علیہ السّلام نہ بھیجا جائے گا۔ اب اگر بیت اللہ پر کافر اُمڈ آئیں گے تو ابابیل نہیں آئیں گے۔ انسانیت کی اصلاح یہ بھی تمہاری ذمہ داری ہے۔ اب زمین کسی قوم کو غرق نہیں کرے گی۔ اب سمندر کسی قوم کو اُس طرح غرق نہیں کرے گا جیسے پہلے قوموں کی قوموں کو غرق کر دیتے تھے کوئی اجتماعی عذاب نازل نہیں ہو گا۔ مخلوق تک وہ بات پہنچانا

جس کے لیے نبی علیہ السلام مبعوث ہوتے تھے۔ یہ بھی اُمتِ محمدیہ کی ذمہ داری ہے۔ اور ظالم کو ظلم سے روکنا اور انصاف کو قائم کرنا یہ بھی تمہاری ذمہ داری ہے اس لیے یہاں فرمایا اِلَّا تَفْعَلُوْہُ۔ اگر تم اپنے فرائض سے غفلت برتو گے اور اگر تم اللہ کی راہ میں ہجرت کرنا، اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چھوڑ دو گے تو اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی آسمانی طاقت آکر ظالم کو نہیں روکے گی تو ظلم بڑھنا شروع ہو جائے گا۔ اور تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ۔ رُوئے زمین پر فتنہ پھیل جائے گا۔ اور فتنے پر جو پھل لگتا ہے وہ فساد کا ہوتا ہے اس کا مطلب ہے بہت بڑا فساد ہوگا اور دُنیائے انسانیت تباہ ہو جائے گی۔ اخلاقی اعتبار سے، دینی اعتبار سے اور بستے ہوئے شہر ویران نظر آئیں گے۔ آبادیوں میں لوگ زندہ جلا کریں گے، بستے ہوئے گھروں کو لُوٹا جائے گا۔ راہ چلتے لوگوں کو قتل کیا جائے گا اور یہ سارا تب ہوگا جب تم اے اُمتِ محمدیہ اپنی ذمہ داریاں چھوڑ دو گے۔

اِلَّا تَفْعَلُوْہُ۔ یہ سب فضائلِ صحابہ میں تو اکثر بیان کیا جاتا ہے۔ اِس کے اِس سبب پہ کم توجہ دی جاتی ہے کہ قرآن صرف صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لیے نہیں ہے۔ قرآن تو ہمیشہ کے لیے ہے اور ساری انسانیت کے لیے ہے۔ جو بھی ایمان قبول کرتا ہے قرآن کے سارے احکام اُس پر نافذ اور لاگو ہو جاتے ہیں۔ صحابہ پر اس لیے وہ بڑا سخت حکم نازل فرمایا کہ جو ہجرت نہیں کرتا اُس کے ساتھ تعلق مت رکھو کیونکہ اُس کا ہجرت نہ کرنا فساد کو پھیلنے اور پھُولنے کو موقعے دینے کے مترادف ہے۔ اِس لیے اُس کی پرواہ نہ کی جائے۔ مرتا ہے یا جیتا ہے اُسے چھوڑ دو ہاں ہجرت کرنا چاہے تو اُس کی مدد کرو اور قیامت تک اگر تم لوگوں نے احساسِ ذمہ داری نہ کی تو اب اِس آیت کی روشنی میں اگر ہم دیکھیں تو جو ملک میں ظلم ہوتا ہے اُس کے ذمہ دار بھی ہم ہیں اور جو بین الاقوامی سطح پر کفر و شرک پھیل رہا ہے۔ بُرائی پھیل رہی ہے۔ قتل و غارت ہوتی ہے، تباہی ہوتی ہے اُس کا بنیادی سبب ہم لوگ ہیں کہ ہم نے اپنے فرائض کو چھوڑ دیا۔ ہم نے تاویلیں گھڑ لیں کوئی دو کلمے کسی کو کہہ دیتا ہے تو وہ کہتا ہے مَیں نے جہاد کر لیا۔ مَیں نے تبلیغ کی مَیں نے جہاد کر لیا۔ کوئی ایک شہر سے دوسرے شہر تک چلا جاتا ہے وہ کہتا ہے مَیں نے جہاد کا حق ادا کر دیا یہ جو جہاد ہم نے سمجھ رکھا ہے کہ مَیں نے ایک کتاب تصنیف کر دی جہاد ہو گیا۔ مَیں نے ایک تقریر کر دی جہاد ہو گیا۔ مَیں نے سحری کو اُٹھ کر تہجد پڑھ لیے جہاد ہو گیا اگر اِس جہاد سے دُنیا سدھرتی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلحہ لینے کی ضرورت کیا تھی۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد ہم سے کم تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ ہم سے کم تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ ہم سے کم تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیاں ہم سے کم تھیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلحہ پہننے کی ضرورت کیوں پیش آئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میدانِ کارزار میں رُخِ انور زخمی کرانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ہم نے جو یہ تاویلیں گھڑ لی ہیں۔ کوئی شخص میدانِ عمل میں آنا نہیں چاہتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنی سہولتیں، آرام، عیش و عشرت اور ضروریات اور خواہشات ہیں ہم ان کو چھوڑنا چاہتے ہی نہیں۔ ہم اُن سے نکلنا ہی نہیں چاہتے۔ ہم اپنی مسلمانی کو وہاں رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنی مسلمانی کے ساتھ خود کو وہاں سے نکالنا نہیں چاہتے اور اگر وہاں سے نکلیں تو ہم کسی ایسی جگہ کھڑا نہیں ہونا چاہتے۔ جہاں کوئی کانٹا چبھنے کا بھی اندیشہ ہو گولی کا لگنا تو بہت بڑی بات ہے ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمیں دھوپ بھی لگے ہمیں ایک کانٹا بھی چبھ جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک کو تشریف لے جا رہے تھے تو بہت سخت گرمی تھی اور بڑا لمبا سفر تھا۔ آج بھی کہیں آٹھ نو سو کلومیٹر ہے مدینہ منورہ سے تو کچھ لوگوں کو یہ مشورہ دیا گیا کہ پھل پک رہے ہیں۔ فصل پکی ہوئی ہے بہت سخت گرمی ہے۔ اس گرمی میں سفر کرنا کوئی اچھی بات نہیں۔ اللہ کریم نے اُس کا جواب دیا تھا۔ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے پیچھے رہ جانے والو تم سمجھتے ہو سورج کی دھوپ بہت زیادہ ہے۔ لیکن یہ یاد رکھو جہنم کی آگ اِس سے بہت تیز ہے۔ وہاں کی گرمی اِس سے کروڑوں گنا زیادہ ہے یعنی پیچھے رہ جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ سورج کی دھوپ سے تو خود کو بچاؤ گے لیکن جہنم کی گرمی پھر تمہیں برداشت کرنا پڑے گی۔

تو آج اِس سارے کا سبب یہ ہے کہ ہم خود کو دھوپ سے بھی بچانا چاہتے ہیں، خود کو سفر سے بھی بچانا چاہتے ہیں۔ ہم خود کو جیل سے بھی بچانا چاہتے ہیں۔ ہم خود کو گولی سے بھی بچانا چاہتے ہیں۔ ہم اپنا وجود بھی بچانا چاہتے ہیں، اپنا مال بھی بچانا چاہتے ہیں، اپنا گھر بھی بچانا چاہتے ہیں اور اس کے ساتھ ہم مسلمان بھی رہنا چاہتے ہیں۔

؎ ایں خیال است و محال است و جنوں

سارا کچھ بچا کر مسلمانی نہیں بچے گی سب کچھ بچ جائے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اللہ کریم ہمیں معاف فرمائے گا۔ اگر اللہ نے سوال کر دیا اس دور کے مسلمان پر کہ میری مخلوق کا سو میں سے ننانوے فیصد حصہ دریاؤں اور سمندروں پہ برہنہ نہاتا ہے۔ دنیائے انسانیت کی آبادی کا اکثر حصہ برہنہ ہو کر شراب پی کر ناچتا تھا۔ دنیائے انسانیت کا بیشتر حصہ میرے نام سے ناآشنا تھا۔ دنیائے انسانیت کا بیشتر حصہ میرے پیغام سے ناآشنا تھا۔ ساری دنیا میں قتلِ عام ہوتا تھا۔ آسمان سے آگ برسانے کا کام انسانوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور قومیں اور نسلیں تباہ ہو رہی تھیں تو اُس وقت تم نے کیا کیا تھا۔؟ تو کیا یہ جواب صحیح ہوگا کہ ہم نے دعا تو مانگی تھی کہ خدایا تُو کر۔ آپ کیا سمجھتے ہیں یہ جواب صحیح ہوگا کہ میں نے اُٹھ کر رات کو دعا تو مانگی تھی کہ اللہ تُو کر اللہ کریم نہیں فرمائیں گے کہ ظالم میں نے تو تجھے کرنے کو کہا تھا۔ جب میں نے کرنا تھا تو میں نے انسانوں کے ذمے نہیں لگایا تھا۔ بڑی بڑی قومیں آئیں الوالعزم رسول علیہ السلام آئے میری کتابیں آئیں لیکن میں نے اُن قوموں کے ذمے انسانیت کی ذمہ داری نہیں ڈالی اور جب بات اُن سے بڑھی تو میں نے لوگوں کو خود سنبھالا ظالموں کی گردنیں میں نے توڑ دیں اور مظلوموں کی مدد کی میں نے مملکتیں اُجاڑ دیں، سلطنتیں تباہ کر دیں پوری پوری دنیا کو تہ آب غرق کر دیا اور ظلم کو نابود کر دیا لیکن تمہیں سربلندی تمہیں عزت کس بات کی دی گئی تم کہاں کے چودھری تھے کہ میدانِ حشر میں تمہاری شہادت کی ضرورت ہر اُمت کو پیش آئے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسٰے علیہ السلام تک ہر نبی علیہ السلام کی امت کو اِس بات کی ضرورت پیش آئے گی کہ میدانِ حشر میں امتِ محمدیہ یہ کہہ دے کہ ان لوگوں نے اطاعت کی تھی اور انہوں نے صحیح کام کیا تھا۔ ارے تم آج اتنے چودھری کہاں سے آ گئے اِس لیے کہ میں نے تمہیں دستِ قدرت بننے کا شرف عطا کر دیا جو کام تم سے پہلے دستِ قدرت سے لیا جاتا تھا میں نے تمہیں وہ عزت بخشی۔

یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔ تمہارے ہاتھوں میں میں نے اپنا دستِ قدرت دے دیا کہ اِسے تم استعمال کرو ظالم کی گردن توڑ دو مظلوم کی امداد کرو گے دستگیری کرو گے۔ کفر و شرک میں نورِ توحید پھیلاؤ۔ ظلم و جور کو روکو اور عدل و انصاف بپا کرو اُس کے لیے تمہیں ہجرتیں کرنی پڑیں گی، گھر چھوڑنے پڑیں گے اور تمہارے مال لُوٹے جائیں گے۔ تمہاری جانیں قربان ہوں گی لیکن تم مال کی پرواہ نہیں کرو گے تم جان کی پرواہ تو نہیں کرو گے۔

تمہارا وطن تو سارا جہان ہے۔

حضرت طارقؒ نے جب اندلس کے کنارے پر فوج اُتاری تو تھوڑی سی فوج تھی اور بہت بڑا ملک تھا ہسپانیہ اور متعدد حکومتیں تھیں۔ بادشاہ اور شہنشاہ اور لاکھوں کی تعداد میں ایک ایک کے پاس سپاہ تھی تو یہ چند ہزار نفوس تھے انہوں نے فیصلہ کیا کہ جن جہازوں پر ہم آئے ہیں بیڑے کو جلا دیا جائے خدام نے سارے جہازوں کو جو چھ سات جہاز تھے آگ لگا دی جو سالار اور اُن کے مشیر اور جرنیل ساتھ تھے تو انہوں نے میٹنگ میں کہا کہ آپ نے زیادتی کی ہے یہ کوئی شرعی طریقہ نہیں ہے۔ ترکِ سبب تو شرعاً جائز نہیں۔ دُنیا میں مسنون یہ ہے کہ اسباب اختیار کئے جائیں اور ہم تو گھر سے بہت دُور ہیں اگر واپس جانا پڑے تو ہمارے پاس کیا ہے۔ آپ نے جہاز جلا دیئے اور دیکھیں دریا میں کتنا وسیع سمندر ہے۔

؎ طارق چوں بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطا

انہوں نے کہا یہ دانش مندانہ فیصلہ نہیں ہے آپ نے جو کچھ کیا اِسے عقل کی نگاہ سے دیکھا جائے تو بڑی غلطی ہے۔

؎ دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسید

ہم تو ملک سے بہت دُور ہیں باز واپس جانے کا کیا سبب ہو گا۔

؎ ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا روا

اور سبب کو چھوڑنا تو شریعت میں بھی جائز نہیں ہے تو آپ نے کیوں جلا دیئے۔

؎ خندید دستِ خویش بہ شمشیر بُرد گفت

انہوں نے ہنس کر تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھا تو فرمایا

؎ ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

اللہ نے ہمارے سپرد یہ کائنات کی ہے تم نے سمجھا جزیرہ نمائے عرب ہمارا ملک ہے۔ یہ کائنات یہ زمین ہماری ہے یہ ہمارا پروردگار پالتا ہے۔ اور اِس کی اصلاح ہمارے ذمے ہے۔ اور اُس کا پیغام وہاں پہنچانا یہ ہماری ذمہ داری ہے اور گھروں کو چھوڑنا یہ ہماری صفتِ مسلمانی ہے۔ ہم کسی ایک جگہ کے پابند نہیں ہیں۔ ہم مہاجر ہیں اللہ کی راہ میں جہاں گئے وہیں کے ہیں ساری دُنیا ہمارا ملک ہے اور ساری دُنیا پہ نورِ توحید پھیلانا ظلم کے ہاتھ کو روکنا یہ ہماری ذمہ داری ہے تم واپس نہیں جاؤ گے اِس ملک کی اصلاح کرو گے یا اپنے رب کے پاس چلے جاؤ گے۔ تمہارے پاس دو راستے ہیں یا یہاں نورِ توحید پھیلے گا اور یا اللہ تمہیں اپنی جنت میں جگہ دے گا۔ واپس جا کر کیا کرو گے وہاں کیا رکھا ہے۔ تمہارا کام آگے جانا ہے پیچھے جانا نہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ پورے ملک کو انہوں نے فتح کیا اور پورے سپین پر سینکڑوں برس مسلمانوں نے حکومت کی لیکن جب جذبۂ جہاد سرد ہوا جب دولت سے پیار آیا جب آرام اور سہولت دل کو لگی تو پھر کافروں نے ایک ایک مسلمان کو چن چن کر ذبح کیا یا جو کمزور تھے انہوں نے کفر قبول کر لیا۔ مرتد ہو گئے۔ اور اب صدیوں سے پورے ہسپانیہ میں ایک مسلمان نظر نہیں آتا۔ مساجد اور مسلمانوں کے محلات تفریح گاہیں بنی ہوئی ہیں، سیر گاہیں بنی ہوئی ہیں اور عبرت کا سامان بنی ہوئی ہیں۔ ہسپانیہ میں ایک عمارت قصر الحمراء ہے۔ اُس کی میں آپ کو ایک بات بتا دوں۔

جب صبح کا سُورج نکلتا ہے اُس کی چھتوں اور اُس کے صحن پہ پڑتا ہے۔ آٹھ اور نو بجے کا وقت ہوتا ہے تو آپ باہر کھڑے ہو کر دیکھیں تو آپ کو اُس ایک عمارت کی دیواروں اور چھت اور برآمدوں میں سات رنگ نظر آتے ہیں۔ حالانکہ رنگ ساری عمارت کا ایک ہے۔ ساری عمارت سنگِ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ دیواریں بھی، ستون بھی، فرش بھی، چھت بھی اور اُسے کہتے ہیں الحمرا۔ یا سرخ محل۔ قصر الحمراء۔ لیکن اُس کے بنانے میں جو

کمال انہوں نے رکھا ہے۔ کہ اُس کے زاویے اور اینگل ایسے بنائے ہیں کہ سُورج کی شعاعوں کے ساتھ اُس کی جو نسبت رکھی ہے اُسے آج تک دُنیائے مغرب کا بڑے سے بڑا انجینیئر نہیں سمجھ سکا کہ انہوں نے اِس میں کیا بات رکھی ہے کہ سُورج کی شعاعیں اُس دیوار پر پڑتی ہیں اُس سے دُوسرے پہ جاتی ہیں اُس سے تیسرے پہ جاتی ہیں تو ہر دیوار، ہر ستون کا ایک نیا رنگ بناتی ہیں اور ایک وقت میں ایک عمارت پر سات رنگ نظر آرہے ہوتے ہیں۔ جب کہ اُس کا اصل رنگ ایک ہے باقی جو کچھ عجائبات اُن میں ہیں وہ علیحدہ۔ وہاں عجیب وغریب باغ تھا، اُس پورے الحمرا کا جو باغ تھا وہ سارا ہی ہَوا میں معلق تھا۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک پُورا تختہ ہوا میں لٹکتا تھا اور اُس پہ باغ لگا ہُوا تھا نیچے جگہ خالی تھی دُنیا میں ہَوا میں اگر باغ اور معلق باغ بنایا گیا تو صرف وہاں تھا اور چھوٹا بڑا نہیں ہزاروں میٹر پر پھیلا ہُوا ایک وسیع باغ تھا جو سارے کا سارا فضا میں معلق تھا۔ کتنے بڑے سسٹم ایجاد کئے۔ یہاں آپ کو ایک پل بنانا پڑے، ایک نہر کی پُلیہ بنانی پڑے پانچ سال لگ جاتے ہیں اُس کی انجینیئرنگ ہی نہیں ہوتی اُس کے ڈائمنشن ہی نہیں بنتے کوئی بن جائے تو چوتھے دن ٹوٹ جاتا ہے کہ جی اُس کی وہ قوس صحیح نہیں تھی اِس کا ستون جو تھا ٹھیک نہیں تھا۔ اِس کے گاڈر صحیح نہیں تھے۔ اِس پر جو وزن پڑا اُس کا تناسب ٹھیک نہیں تھا تو کتنی ڈائمنشن کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ ایک نہر پر پلیہ بنانے کے لیے۔ آج سے صدیوں پیشتر وہ کون انجینیئر تھے جنہوں نے پُورا باغ ہَوا میں معلق کر دیا اور وہ صدیوں کھڑا رہا۔ لاکھوں افراد اُس کی سیر کو جاتے تھے اور وہ ہَوا میں کھڑا ہے۔ چند ستون تھے کوئی وہاں کوئی یہاں سمجھ نہیں آتی تھی کہ نیچے کوئی ستون ہے بھی کہ نہیں۔ تو آج وہاں سے مسلمانوں کا نام مٹ گیا اور مدت بیت گئی۔

اُسے مٹتے ہوئے یہ کیوں ہے اللہ کریم نے اِس کی وجہ بتائی کہ اگر تم ہجرت سے جی چراؤ گے اگر تم جہاد سے جان بچاؤ گے اگر تم زخم کھانے سے بھاگو گے اگر تم دولت بچانا چاہو گے اگر تم آرام کرنے پہ خوش ہو جاؤ گے تو تمہاری ذات کا جو نقصان ہو گا وہ تو ہو گا۔ ساری دنیا تباہ ہو جائے گی اور اِس تباہی کی جوابدہی اللہ تم سے کریں گے۔ پھر یہ دو وقت کی نمازیں اور چار دن کی تبلیغ اور دو چلے لگے ہوئے یہ کام نہیں آئیں گے۔ یہ بڑا تھوڑا ہے سرمایہ جو ہم انویسٹ کر رہے ہیں۔

دُعا کرنا تو حق ہے لیکن دُعا کا طریقہ یہ ہے جو محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کفر کی طاقت کفر کی یلغار آرہی ہے جو کچھ پاس تھا وہاں سے لے کر ڈیڑھ سو میل مدینہ منورہ سے ڈیڑھ سو کلو میٹر باہر سو میل پیدل سفر فرمایا رمضان مبارک میں اور گرمی میں تپتے ہوئے صحرا میں اور کفر کے راستے میں خیمے ڈال کر چند نفوسِ قدسیہ جو پاس تھے اُنہیں صف آرا کر کے کیسی صفیں بن رہی ہیں کسی کے پاس ایک چادر ہے اور کسی کے پاس دو چادریں، جُوتے نہیں ہیں کپڑا نہیں ہے۔ چار چار پانچ پانچ کھجوریں مل رہی ہیں چوبیس گھنٹے کی خوراک، پینے کو پانی نہیں ملتا دُعا ہو رہی ہے۔ بارالہا بارش ہی برسا دے بیچارے پیاسے مر جائیں گے۔ غسل کرنے کو پانی نہیں ملتا۔ بارش برسی تو لوگوں نے نہایا صفیں بنوا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا مانگ رہے ہیں یا اللہ میرے پاس جو تھا میں نے حاضر کر دیا۔ اور ہم بستر میں گھس کر دُعا کرتے ہیں یا اللہ میں تو سو رہا ہوں سارا کام تو کر۔ میں گھر سے نہیں نکل سکتا میری بیوی بیمار ہے میرا بچہ چھوٹا ہے میں گھر سے نہیں نکل سکتا۔ میری دکان نہیں چلتی میں نہیں جا سکتا۔ مجھے دھوپ لگتی ہے میں نہیں لڑ سکتا میں نے گولی چلانا سیکھا ہی نہیں ہے میں میدان میں نہیں جا سکتا۔ مجھے ہتھیار استعمال کرنا نہیں آتا یہ تو پھر مسلمانی سے بیزاری

کی بات ہوئی پھر اِس کو چھوڑ و مصیبت کہ مسلمانی اتنی سستی اتنی آسان اتنی عام بات نہیں ہے کہ آپ نے دو دفعہ سبحان اللہ سبحان ربی الاعلیٰ کہہ دیا۔ کائنات طے ہوگئی۔ نہیں۔ عبادات کا اپنا مقام ہے اور عبادات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سے وہ تعلق نصیب ہو جائے کہ ہر چیز قربان کی جا سکے۔ اگر چیزوں میں دل وہیں اٹکا رہا تو اِس کا مطلب ہے نمازیں، روزے، حج بھی نقل ہی ہوئے۔ آپ کہتے ہیں مَیں نے دس بوری صابن لگا دیا اور کپڑا میلے کا میلا ہے تو وہ صابن کیسا ہے اُس نے میل کیوں نہیں نکالا۔ اِس کا مطلب ہے صابن والی اُس میں کوئی بات نہیں ہے ہم ساری عمر وظیفے، نمازیں، مراقبے ذکر کرتے رہیں اور جہاد کے لیے میدان میں نہ اُتر سکیں تو اُن کا کوئی فائدہ نہیں ہے یہ سب فراڈ ہے اپنے ساتھ اور قوم کے ساتھ اور دین کے ساتھ اور میدانِ عمل میں

جتنی ضرورت اِس وقت ہے شاید اتنی کبھی نہ تھی۔ پتہ نہیں آپ کیا سوچتے ہیں۔ لیکن یہودی اَب سوچ رہا ہے کہ پوری دُنیا پہ ایک ایسا نظام مسلط کیا جائے جس میں صرف یہودی کی حکومت ہو باقی سارے اُس کے گماشتے ہوں۔ آپ نیو ورلڈ آرڈر کے نام سنتے ہیں جو دراصل جیو ورلڈ آرڈر ہے۔ یہودیوں کی دُنیا پر حکمرانی کا خواب، یہودی اتنا خبردار ہے کہ ایک مسلمان نے بیس برس محنت کر کے اپنے ملک کو کسی قابل بنایا تو یہودی تڑپ اُٹھے انہوں نے اُسے تباہ کر دیا۔ یہودیوں نے کر دیا۔ ٹھیک کیا۔ لیکن یہ مسلمان جو اُن کے ساتھ شامل تھے اُن کے پاس کوئی دلیل ہے اُس کو تباہ کرنے کی۔ یہ جو ہماری حکومت کا اَمن مشن تھا یہ سعودی عرب کے فرمانرواؤں نے انہیں دعوت دی۔ یہ جو ترکوں نے اُس پر ظلم کیا اور یہ جو اڑوس پڑوس کے مصر اور سوڈان کے مسلمان ہیں انہوں نے اُس کی غارت گری میں حصہ لیا اُن کے پاس کیا جواز تھا ایک مسلمان کو کتوں سے مروانے کا۔ کیا یہی جذبۂ جہاد ہے؟ یہی ہماری تبلیغ ہے؟ اور اِس ملک میں رہنے والے ہم، جو دیندار، اپنے آپ کو نیک کہلوانے والے لوگ ہیں۔ ہم صرف تسبیح لے کر گلیوں میں پھرتے رہیں گے اور اِسی ملک سے اِسی ملک کی فوجیں یہودی استعمال کر کے مسلمانوں کو تباہ کریں تو اللہ ہماری اِس تبلیغ کو کیا کرے گا پھر ہماری تسبیحات کا کیا مصرف ہے اِس کی کیا ضرورت ہے یا یہ کوئی جواب ہے۔ کہ ہم کہہ سکیں گے کہ ہم ملک میں تو بہت تھے یا اللہ ہم نمازیں بھی پڑھتے تھے اذانیں بھی دیتے تھے۔ لیکن لڑنے کے لیے ہم نے کہا کہ ہم دُعا کر دیں گے اَب تُو لڑ ہماری جگہ جا کر۔ وہ کہتا ہے میرے فرشتے لڑیں گے؟ میرا دستِ قدرت تم ہو۔ تم حرکت میں آؤ تو میری قدرت کا ملہ تمہارے ساتھ ہے اِس لیے کہ یہ منصب تمہیں مَیں نے بحیثیت اُمتِ محمدی عطا کر دیا ہے۔ بہترین اُمت بنا کر عطا کیا۔ صرف تم وہ لوگ ہو جن کے لیے مَیں نے کہا ہے۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ جس نے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیا میرا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر ہے۔ یہ پہلے کسی اُمت کو اِس طرح سرفراز نہیں کیا گیا۔ تو میرے یہ رزی باتیں کام نہیں آئیں گی۔ یہ جہاد کا وقت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کو یہ تمنا ہی زندگی بھر پیدا نہ ہو کہ کاش مَیں بھی جہاد کرتا تو وہ جاہلیت کی موت مرا وہ اسلام کو سمجھا ہی نہیں خواہ وہ ساری زندگی نمازیں پڑھتا رہا وہ اسلام کے قریب سے بھی نہیں گزرا ایسے ہی رہا جیسے قبل اسلام لوگ تھے۔

تو میرے بھائی اپنی سوچوں کو بیدار کرو کم از کم اپنے ماحول کو اپنے اِس چھوٹے سے ٹکڑے کو اپنے اِس چھوٹے سے ملک کو کسی راستے پر ڈالیں۔ چند غنڈے ملک پر حکومت کر رہے ہیں اور اکثریت ووٹوں کی بیٹھی دُعائیں کر رہی ہے تو

جب آپ ووٹ تک دینے نہیں جاتے آپ نے بڑے بڑے بزرگوں کو سجادوں پر بٹھا رکھا ہے۔ بڑے بڑے خانقاہوں میں بٹھا رکھا ہے۔ بڑے بڑے بزرگوں کو مساجد میں بٹھا رکھا ہے۔ اُن بزرگوں کو ہی ووٹ دے دو۔ انہی کو لے کر پرائم منسٹر ہاؤس میں بٹھا دو آپ جس بزرگ کو سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے مرکز میں، رائے ونڈ میں بیٹھ سکتا ہے تو اُس بزرگ کو پرائم منسٹر ہاؤس میں بٹھاؤ وہ اللہ کا بندہ انصاف کرے یہاں اور یہاں سے دُعا کرنے کے بجائے وہاں سے حکم دے سکے۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ مجھے لے جائیں۔ کسی کو تو لے کے جاؤ جسے نیک سمجھتے ہو اُسے تو میدان میں اُتارو اور اگر گرمی سے گھبراتے ہیں، میدان میں آنے سے ہی گھبراتے ہیں حکومت کی ناراضگی سے بھی گھبراتے ہیں پیسے خرچ کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا تو اللہ نے جو کام تمہارے سپرد کیا ہے تم اُسے کہو کہ تو کر یہ تو وہی بات ہوئی جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کیا تھا۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا۔ موسیٰ علیہ السلام آپ (علیہ السلام) جائیے اور اپنے رب کو ساتھ لے جائیے آپ دونوں مل کر لڑائی کریں۔ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ہم تو یہاں بیٹھیں گے جی ہم تو یہ پڑھیں گے آپ جائیں موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار کو لے جائیں اور دونوں جا کر لڑو۔

تو اُس میں اور ہمارے طرزِ عمل میں کیا فرق ہے صرف یہ کہ انہوں نے زبانی کہہ دیا ہم زبانی مانتے ہیں ہم کہتے ہیں کرتے کچھ نہیں۔ ہم سے تو اتنا بھی نہ ہو سکا کہ ہم ساری زندگی کچھ نہ کرتے لیکن ہتھیار چلانا تو سیکھ لیتے کبھی یہ تو ہوتا کہ ضرورت پڑی تو میں بھی کر لوں گا ہم سے تو وہ بھی نہ ہو سکا۔ ہمیں تو بات کرنے کا سلیقہ نہ آیا ہم نے سوچنا تک چھوڑ دیا کہ دُنیا میں کیا ہو رہا ہے اور کونسی قوم کیا کر رہی ہے۔ ہم تو بالکل الگ تھلگ ہو گئے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں۔ حج کر لیا ہم دُعا مانگ لیں گے باقی کام دُعا سے ہو جائیں گے۔ تو ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔

اللہ کریم فرماتے ہیں جب تم جہاد سے مُنہ پھیرو گے جب تم تکلیفیں برداشت کرنے سے گھبراؤ گے۔ جب تمہیں ہجرت مشکل لگے گی اور تم ہجرت کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کو ایک جیسا سمجھنے لگ جاؤ گے۔ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ رُوئے زمین پر فتنہ پھیل جائے گا۔ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ اور بہت بڑا فساد۔ تو گویا یہ فتنہ یہ فساد یہ کفر و شرک یہ ہماری کوتاہیوں کا ثمرہ ہو گا۔ اس کے لیے ہمیں جواب دینا ہو گا میں آپ کو کسی خوش فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا جس طرح ساتھی کہتے ہیں کہ بات کہنے والے کو بھی بہشت مل گئی۔ بات کہنے والے کو بھی بہشت دے دے لیکن شاید اتنی ارزاں نہیں ملے گی۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس طرح سے لٹائی جائے گی۔ اللہ کریم نے اپنے پڑوس میں نکموں کو بسا کر کرنا کیا ہے۔ وہ دُنیا میں نکموں کا ساتھ نہیں دیتا۔ مدد نہیں کرتا اور اُسے زیب ہی نہیں دیتا کہ وہ بزدلوں اور نکموں کی مدد فرمائے کیوں فرمائے اُس کی شان کے خلاف ہے کہ وہ بھاگنے والوں کے ساتھ بھاگ رہا ہو۔

دُعائے مغفرت

- محمد امین (ڈسکہ) کے والد ماجد صاحب مؤرخہ ۲۵ مئی ۱۹۹۲ء کو قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ جماعت کے تمام ساتھیوں سے گذارش ہے کہ اُن کے لیے اور والدہ محمد امین کی مغفرت کے لیے دُعا فرمائیں۔
- صوبیدار محمد یار ملک کے بہنوئی فضل الٰہی سکنہ تھوہا محرم خان قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے ہیں۔ جماعت کے تمام ساتھیوں سے گذارش ہے کہ ان کے لیے دُعائے مغفرت فرمائیں۔

محمد ناصر الدین

مکاشفات

ہمارے شیخ جناب حضرت مولانا محمد اکرم صاحب خصوصی شفقت سے تربیت فرماتے ہیں۔ اس سال اللہ تعالیٰ نے اعتکاف کی توفیق عطا فرمائی۔ دارالعرفان منارہ میں دن رات کی ذکر اذکار کی محافل میں جو محسوسات یا مکاشفات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے وہ حضرت کی خدمت میں عرض کیے تاکہ رہنمائی ہو۔ میرے سوالوں کے جوابات اور خصوصی تربیت میرے شیخ کی عظمت کی مظہر ہیں۔ اس لیے تحریر کر رہا ہوں تاکہ باقی ساتھیوں کی بھی تربیت کا باعث ہوں۔

سوال: حضرت! مَیں مراقبہ دربارِ نبوی میں دیکھتا ہوں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست کے دائیں جانب بڑے بڑے گذرے ہوئے اولیا کرام بیٹھے ہیں اور دوسری جانب چاروں صحابہؓ۔ ان صحابہ کی نشستوں کے پیچھے دُنیا میں موجود صاحبِ منصب (اولیاء کرام) بیٹھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ دُنیا میں موجود اولیاء کرام صحابہؓ کے پیچھے کیوں بیٹھتے ہیں۔ اولیاء کرام کے پیچھے کیوں نہیں بیٹھتے۔

جواب: صحابہ کرامؓ ہمیشہ رہنے والی شخصیات ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نبوت کے گواہ ہیں۔ ان کا انکار کفر ہے۔ کیونکہ نبوت ثابت نہ ہو سکے گی۔ چونکہ ان کا زمانہ ہمیشہ کا ہے۔ اس لیے موجودہ اولیا ان کے تابع ہیں۔ پُرانے بزرگوں کا زمانہ گذر چکا ہے۔ اسی وجہ سے دُنیا میں موجود اولیا اُن کے پیچھے نہیں بیٹھتے۔

سوال: ذکر کے دوران اور ویسے بھی میں آپ کو رُوحانی طور پر ایک سے زیادہ جگہ پر ایک ہی وقت میں موجود پاتا ہوں۔ آپ اقربیت کے مقام پر بھی ہوتے ہیں، دربارِ نبوی میں بھی اور اولیاء کرام کی صف میں بھی۔ برائے مہربانی سمجھایا جائے۔

جواب: یہ تم ٹھیک دیکھتے ہو اسے تصوف میں "تعددِ امثال" کہتے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جیسے سُورج نکلتا ہے تو ایک جگہ کو منور نہیں کرتا بلکہ تمام دُنیا کو روشن کرتا ہے۔ ہر جگہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ سُورج صرف اُن کے اُوپر ہے۔ لیکن وُہ ہر جگہ نظر آ رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح ولی بھی سُورج کی مانند ہوتا ہے۔ ایک ہی وقت میں مختلف جگہوں پر نظر آتا ہے۔ اور اس کے قلب سے منعکس ہونے والے انوارات میں اس کی صُورت نظر آتی رہتی ہے۔

سوال: آج رات رُوحانی بیعت کے وقت دیکھا کہ آپ منصب والی کرسی سے اُٹھ کر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے اور پھر بیعت والوں کو پیش کیا جب کہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا

جواب: عمومی حاضری میں منصب والی کرسی سے اٹھنا

نہیں پڑتا۔ عام حاضری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دینے میں بڑا فرق ہے۔ اس کے لیے خود بھی حاضر ہونا پڑتا ہے۔ اسی قرب پر جو کہ مجھے اللہ نے نصیب فرمایا ہے میں نے نظم بھی لکھی ہے۔

سوال:۔ اعتکاف کے دوران جتنی بھی رُوحانی بیعت ہوئی اس میں زیادہ تر لوگوں کو قرآن کریم عطا ہوا۔ اس سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رُوحانی طور پر سالک کو کبھی تلوار، جھنڈا، قلم یا قرآن اور کبھی سب کچھ عطا فرماتے صرف ایک چیز ملنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

جواب:۔ جو کچھ بھی رُوحانی بیعت کے وقت عطا ہوتا ہے وہ رُوحانی استعداد کے مطابق عطا ہوتا ہے۔ جن اصحاب کی استعداد زیادہ ہو انہیں زیادہ ملتا ہے۔

سوال:۔ تلاوتِ قرآن کے دوران یا آپ کے بیان کے دوران جو بھی واقعہ بیان ہو رہا ہو میں اُس کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ وہ واقعہ تمام تر جزیات کے ساتھ سامنے آ جاتا ہے۔ جنت یا دوزخ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ رہنمائی فرمائیں یہ ٹھیک ہے یا شیطانی القا۔

جواب:۔ یہ صحیح ہے۔ خاص طور پر جب میں بیان کر رہا ہوتا ہوں تو تمام طرف روشنی منعکس ہو رہی ہوتی ہے۔ اُس وقت کشف والے ساتھی اگر توجہ دیں تو اُن کو ہر وہ چیز نظر آ سکتی ہے۔ جو میں بیان کر رہا ہوتا ہوں۔

سوال:۔ صاحبِ منصب حضرات میں سے آپ کے علاوہ صرف دو اور ہیں جن کی سمجھ آتی ہے باقی حضرات کا پتہ نہیں چلتا۔ درخواست ہے کہ تربیت کے لیے رہنمائی فرمائیں۔

جواب:۔ اس سوال کا تربیت سے کوئی تعلق نہیں میں نے خود بتانے والا سلسلہ بند کر رکھا ہے۔ اسی وجہ سے تمہیں سمجھ نہیں آتی جب تک میں نہ بتاؤں، پتہ نہ چلے گا۔ پہلے چند لوگوں کو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا تھا اُن میں سے تھوڑے بچ سکے زیادہ تباہ ہو گئے۔ کہ یہ سب برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ دین کا جس سے بھی کام ہو رہا ہے وہ بغیر منصب کے ممکن نہیں۔ مجھے جو اللہ نے منصب دیا ہے وہ نہ تو پہلے کسی کے پاس تھا اور نہ ہی شاید بعد میں کسی کو ملے۔ آج تک کسی ایک سلسلہ نے اتنا کام نہیں کیا جتنا کہ اللہ کریم نے ہم سے لیا۔ ہمارے جاننے والے اور شاگرد حضرات امریکہ، کینیڈا، جاپان، ناروے، افریقہ، انڈیا اور مشرقی پاکستان میں موجود ہیں۔ یہ اس منصب کی برکات ہیں کہ ایک جسم سے اتنے سلسلوں کو برکات نصیب ہو رہی ہیں۔ بیک وقت روئے زمین پر پوری انسانیت کا کسی ایک سلسلہ کی برکات سے مستفید ہونا اللہ کریم کی خصوصی عنایت ہے اور خیر القرون کے بعد آج تک سلاسل ولایت میں ایسا نہیں ہوا۔ اللہ کریم نے ہر دَور میں متعدد وجودوں کو برکات کا منبع بنایا۔ مگر آج اللہ کی عنایت سے ایک ہی سلسلہ ساری انسانیت میں برکاتِ الٰہی بانٹ رہا ہے۔

عیدالاضحیٰ ۱۴۱۲ھ کے موقع پر مندرجہ ذیل احباب کی طرف سے دارالعرفان میں قربانی کی گئی۔

۱-	ڈاکٹر محمد اختر چیمہ	امریکہ
۲-	سید ناظم علی	میلولینڈ امریکہ
۳-	عبدالرشید صاحب	امریکہ
۴-	آصف رشید صاحب	امریکہ
۵-	راشد حبیب	امریکہ
۶-	سرفراز بیگم	امریکہ
۷-	محمد منیر صاحب	برطانیہ
۸-	محمد شکیل صاحب	برطانیہ
۹-	عبدالرحمٰن صاحب	برطانیہ
۱۰-	مسز رحمٰن صاحبہ	برطانیہ

فیصلے جو بدل دیں خداؤں کے سُن
وہ مردانِ حُر، وہ بلائیں ہیں ہم
تو ہمیشہ علیٰ کلِ شیئٍ قدیر
با ہم کُن فیکون صدائیں ہیں ہم
یہ تعلق عجب ہے ترا اور ہمارا
تو محبوب ہے اور ادائیں ہیں ہم
موج دریا سے ہٹ کر ہوتی ہے کہیں
کہ شمس ہے تو اور شعاعیں ہیں ہم
تو ہے روح بدن اور یہ خاکی جبیں
تو سحر آرزو اور دعائیں ہیں ہم
چھوڑ کر کیوں چمن جا اُڑی عندلیب
تو خوشبوئے گل اور ہوائیں ہیں ہم
کیا حقیقت ہے پیارے بتاؤں تجھے
تو وجودی اکیلا پرچھائیں ہیں ہم

ضروری وضاحت

مہنگائی اور ٹیکسوں کی وجہ سے ہمیں "المُرشد" کا سالانہ سبسکرپشن ۱۲۰/- روپے کرنا پڑا۔ یکم جولائی سے سالانہ خریدار ۱۲۰/- روپے جمع کرائیں۔

تاحیات = ۱۲۰۰/- روپے۔

منیجر
ماہنامہ المرشد لاہور

شیخ المکرّم حضرت مولانا محمدؐ اکرم مدظلہٗ

کے بیانات کی وِڈیو کیسٹس تیار ہوچکی ہیں

وِڈیو کیسٹ

رمضان المبارک				کیسٹ نمبر
۲۱	۲۲			۱
۲۳	۲۴	۲۵		۲
۲۶	۲۷	۲۸		۳
۲۹	۳۰			۴
تقریب رونمائی غبارِ راہ لاہور				۵
اجتماع لنگر مخدوم				۶

-/۲۵۰ روپے فی کیسٹ مع -/۱۰ روپے ڈاک خرچ، بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر ناظمِ اعلیٰ کے نام بھیج کر منگوا سکتے ہیں،

ناظم اعلیٰ اویسیہ سوسائٹی ـ کالج روڈ ـ ٹاؤن شپ ـ لاہور

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3-اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہیں آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبدالباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7-پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255